تنظیم اسلامی کا ترجمان

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

29

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

www.tanzeem.org

مسلسل اشاعت کا
30 واں سال

یکم تا 7 محرم الحرام 1443ھ / 10 تا 16 اگست 2021ء

حسن وزیبائی کی بخشش ونعمت

ہم زندگی کی بناوٹی اور خود ساختہ آسائشوں میں اس درجہ مُنہمک ہوگئے ہیں کہ ہمیں قدرتی راحتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، اور بسا اوقات تو ہم اُن کی قدر و قیمت کے اعتراف سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر چند لمحوں کے لیے اپنے آپ کو اس غفلت سے بیدار کر لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ کائناتِ ہستی کا حسن و جمال فطرت کی ایک عظیم اور بے پایاں بخشش ہے، اور اگر یہ نہ ہوتی یا ہم میں اس کا احساس نہ ہوتا، تو زندگی، زندگی نہ ہوتی، نہیں معلوم کیا چیز ہوتی۔ ممکن ہے موت کی بدحالیوں کا ایک تسلسل ہوتا!

ایک لمحہ کے لیے تصور کیجیے کہ دنیا موجود ہے، مگر حسن و زیبائی کے تمام جلوؤں اور احساسات سے خالی ہے۔ آسمان ہے مگر فضا کی یہ نگاہ پرور نیلگونی نہیں ہے۔ ستارے ہیں مگر اُن کی درخشندگی و جہاں تابی کی یہ جلوہ آرائی نہیں ہے۔ درخت ہیں مگر بغیر سبزی کے۔ پھول ہیں مگر بغیر رنگ و بُو کے۔ اشیاء کا اعتدال، اجسام کا تناسب، صداؤں کا ترنم، روشنی و رنگت کی بُوقلمونی، اِن میں سے کوئی چیز بھی وجود نہیں رکھتی یا یوں کہا جائے کہ ہم میں ان کا احساس نہیں ہے۔ غور کریں، ایک ایسی دُنیا کے ساتھ زندگی کا تصور کتنا بھیانک اور ہولناک منظر پیش کرتا ہے؟ ایسی زندگی، جس میں نہ تو حسن کا احساس ہو، نہ حسن کی جلوہ آرائی، نہ نگاہ کے لیے سرور ہو، نہ سامعہ کے لیے حلاوت، نہ جذبات کی رقت ہو، نہ محسوسات کی لطافت، یقیناً عذاب و جانکاہی کی ایک ایسی حالت ہوتی، جس کا تصور بھی ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہے!

لیکن جس قدرت نے ہمیں زندگی دی، اُس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت یعنی حسن و زیبائی کی بخشش سے بھی مالا مال کر دے۔ اُس نے ایک ہاتھ سے ہمیں حسن کا احساس دیا، دوسرے ہاتھ سے تمام دُنیا کو جلوۂ حسن بنا دیا۔ یہی حقیقت ہے جو ہمیں رحمت کی موجودگی کا یقین دلاتی ہے۔ اگر پردۂ ہستی کے پیچھے صرف خالقیت ہی ہوتی، رحمت نہ ہوتی۔ یعنی پیدا کرنے یا پیدا ہو جانے کی قوت ہوتی، مگر افادہ و فیضان کا ارادہ نہ ہوتا، تو یقیناً کائناتِ ہستی میں فطرت کے فضل و احسان کا یہ عالمگیر مظاہرہ بھی نہ ہوتا!

خُدا کی ہستی
مولانا ابوالکلام آزاد

اس شمارے میں

تاریخ تحریکِ آزادیٔ کشمیر اور 5 اگست

کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا

داسو ڈیم حملہ، افغان سفیر کی بیٹی کا اغوا...

اسلام کا سماجی اور معاشرتی نظام

حضرت شیماء رضی اللہ عنہا بنت حارث رضی اللہ عنہ

عقیقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت

الھدیٰ (947)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

قرآن تو علیم و خبیر کا کلام ہے

سُورَۃُ الفُرقان | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات:05 تا 7

وَقَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَہَا فَہِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡہِ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا ۝۵ قُلۡ اَنۡزَلَہُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝۶ وَ قَالُوۡا مَالِ ہٰذَا الرَّسُوۡلِ یَاۡکُلُ الطَّعَامَ وَ یَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ ؕ لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مَلَکٌ فَیَکُوۡنَ مَعَہٗ نَذِیۡرًا ۝۷

آیت:۵ ﴿وَقَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَہَا﴾ ''اور کہتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں کے قصے ہیں جو اس نے کسی سے لکھوا لیے ہیں''

کَتَبَ یَکۡتُبُ: لکھنا۔ اس سے اِکۡتَتَبَ باب افتعال ہے' یعنی کسی سے لکھوا لینا۔

﴿فَہِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡہِ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا ۝۵﴾ ''پھر یہ املا کرائی جاتی ہیں اس کو صبح و شام۔''

ان کے پیچھے خفیہ طور پر جو لوگ یہ قصے کہانیاں گھڑ رہے ہیں وہ صبح شام ان سے ملتے ہیں اور اپنی گھڑی ہوئی باتیں انہیں لکھوا دیتے ہیں۔ پھر وہی باتیں یہ ہمیں سنا کر دھونس جماتے ہیں کہ مجھ پر وحی آئی ہے۔

آیت:۶ ﴿قُلۡ اَنۡزَلَہُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ اس کو اُس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی ہوئی چیز کو جانتا ہے۔''

﴿اِنَّہٗ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝۶﴾ ''یقیناً وہ بہت بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت:۷ ﴿وَ قَالُوۡا مَالِ ہٰذَا الرَّسُوۡلِ یَاۡکُلُ الطَّعَامَ وَ یَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ ؕ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے!''

کہ ایک ایسا شخص اللہ کا بھیجا ہوا رسول کیسے ہو سکتا ہے جس کو کھانے کی حاجت بھی ہو اور وہ عام انسانوں کی طرح بازاروں میں خرید و فروخت بھی کرتا پھرتا ہو۔

﴿لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مَلَکٌ فَیَکُوۡنَ مَعَہٗ نَذِیۡرًا ۝۷﴾ ''کیوں نہیں اتارا گیا اس پر کوئی فرشتہ کہ وہ اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا ہوتا؟''

ہاں اگر یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو ہماری آنکھوں کے سامنے پرواز کرتے ہوئے نازل ہوتا' ان کے رسول ہونے کی گواہی دیتا اور پھر یہ جدھر بھی جاتے' وہ فرشتہ لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے ہٹو بچو کا نعرہ لگاتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلتا اور نہ ماننے والوں کو دھمکاتا!

فرمان نبویؐ

الجھا کر بات کرنا

عَنِ ابۡنِ مَسۡعُوۡدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: ((ھَلَکَ الۡمُتَنَطِّعُوۡنَ '' قَالَھَا ثَلَاثًا'')) (رواہ مسلم)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:'' مبالغہ آرائی کرنے والے ہلاکت میں پڑ گئے! یہ الفاظ تین مرتبہ ارشاد فرمائے!۔''

تشریح: حدیث کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ بات کو الجھا کر اور گفتگو میں مشکل پہلو اختیار کرنا' پسندیدہ بات نہیں۔ اسی طرح عوام سے تخاطب میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور بتکلف فصاحت کے لیے مغلق اور موٹے موٹے الفاظ اور دقیق معانی بیان کرنا بھی ناپسندیدہ ہے!

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

یکم تا 7 محرم الحرام 1443ھ جلد 30
10 تا 16 اگست 2021ء شمارہ 29

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی

''دارالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 15 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 600 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخِ تحریک آزادیٔ کشمیر اور 5 اگست

جموں و کشمیر جسے جنت ارضی بھی کہا جاتا ہے تقریباً 48,471 مربع میل پر پھیلی ہوئی ریاست ہے۔ یہ علاقہ براعظم ایشیا کے تقریباً وسط میں اور برصغیر کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ اس مناسبت سے اسے ایشیا کا دل اور برصغیر کا تاج بھی کہتے ہیں۔ جغرافیائی اعتبار سے اس نہایت اہم خطے کے شمال میں چین کا صوبہ سنکیانگ واقعہ ہے۔ اس کے مشرق میں تبت، جنوب میں بھارت، جنوب مغرب میں پاکستان اور مغرب میں افغانستان واقع ہیں۔ اگر داخلی طور پر دیکھا جائے تو ریاست جموں و کشمیر چار ذیلی علاقوں پر مشتمل ہے جو جموں، وادی، لداخ اور گلگت بلتستان کہلاتے ہیں۔

خطہ کشمیر ماضی میں بدھ مت کا مرکز رہا جبکہ مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ آٹھویں صدی عیسوی میں برصغیر پر مسلمانوں کے حملے کے بعد شروع ہوا۔ پہلی اسلامی حکومت کا آغاز چودھویں صدی کے آغاز میں اس وقت ہوا جب بدھ حکمران رنچن شاہ نے اسلام قبول کیا اور اسلامی نام صدر الدین اختیار کیا۔ پہلی باقاعدہ اسلامی حکومت کی بنیاد شاہ میر نے رکھی جو بعد میں سلطان شمس الدین کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس خاندان نے کشمیر پر لمبا عرصہ حکومت کی اور کشمیر کو اسلامی تشخص میں رنگ دیا جو آج تک کشمیر کی پہچان ہے۔

اس خاندان کے بعد 1555ء میں ایک اور مسلمان خاندان چک کی حکمرانی قائم ہوئی، لیکن یہ خاندان اپنے اختلافات پر قابو نہ رکھ سکا، چنانچہ صرف 31 برس بعد ہی 1586ء میں مغل بادشاہ اکبر نے کشمیر کو سلطنت مغلیہ کا حصہ بنا لیا۔ جب مغلیہ سلطنت روبہ زوال ہوئی تو احمد شاہ ابدالی کے پنجاب پر حملوں کے دوران 1752ء میں کشمیر افغانوں کے قبضے میں چلا گیا جو 1819ء تک قائم رہا۔ 67 برس پر محیط اس عہد کے بعد کشمیر پر رنجیت سنگھ کی فوجوں نے حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور یوں کشمیر پر سکھوں کا تسلط قائم ہو گیا۔ سکھوں کا یہ عہد کشمیر کی تاریخ میں ظلم و بربریت کا سیاہ دور ہے۔ سکھ کشمیریوں سے نفرت کرتے تھے اور ان کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرتے تھے۔ اگر کوئی کشمیری کسی سکھ کے ہاتھوں قتل ہو جاتا تو قاتل کو صرف 16 سے 20 روپے تک جرمانہ کیا جاتا تھا، جس میں سے مقتول کے ورثاء کو دو روپے ادا کر کے بقیہ رقم سرکاری خزانے میں جمع کرا دی جاتی تھی۔

1842ء میں جب سکھوں کو انگریزوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا تو 9 مارچ 1842ء کو فریقین میں معاہدۂ لاہور طے پایا۔ اس کے تحت کشمیر کا علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا گیا، جنہوں نے چند روز بعد اپنے ایک وفادار گلاب سنگھ ڈوگرہ کو 75 لاکھ نانک شاہی سکوں کے عوض فروخت کر دیا۔ اس سلسلے میں ایک معاہدہ انگریزوں اور گلاب سنگھ ڈوگرہ کے درمیان بھی طے پایا جس کے تحت وادیٔ کشمیر اور ارد گرد کے علاقے اپنی آبادی اور تمام اسباب و وسائل کے ساتھ گلاب سنگھ ڈوگرہ کے حوالے کر دیے گئے۔ اسے معاہدۂ امرتسر کہا جاتا ہے۔ گویا ہر کشمیری کو صرف 7 سکّوں کے عوض ڈوگرہ کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا جبکہ زمین رشک فردوسِ بریں 155 روپے فی مربع میل کے حساب سے فروخت ہو گئی۔ ڈوگرہ حکمران بھی اپنے پیشروؤں کی مانند مسلمانوں سے بے انتہا تعصب رکھتے تھے، یہاں تک کہ دو پہر سے پہلے مسلمانوں کی شکل دیکھنا بھی گوارا

نہ کرتے تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو دوپہر سے پہلے کسی ڈوگرہ حکمران کے سامنے جانے کی اجازت نہ تھی۔ اس دور میں بھی مسلمانوں نے اس ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کی کہ جب مساجد کو اصطبلوں اور بارودخانوں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور اذان دینے اور خطبہ پڑھنے پر پابندی تھی۔ پونچھ کے مسلمان لیڈروں سردار سبز علی خان اور ملی خان کی کھالیں زندہ ہی اتروادی گئیں، محض اس جرم میں کہ وہ ڈوگرہ حکمرانوں کے ظلم وستم کے خلاف مزاحمت کرتے تھے۔

انہی مظالم کے باعث 1929ء میں سرینگر میں شیخ عبداللہ نے ''ریڈنگ روم پارٹی'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ اسی زمانے میں جموں میں چودھری غلام عباس نے ''اے آر ساغر'' اور دیگر چند ساتھیوں نے مل کر ''ینگ مینز ایسوسی ایشن'' کی بنیاد رکھی۔ ینگ مینز نے بھی مسلمانوں کے حقوق کے لیے خاطر خواہ جدوجہد کی، لیکن یہ دونوں تحریکیں تحریک آزادی کا روپ نہ دھار سکیں۔

1931ء میں بریلی کے علاقے میں ایک مسجد شہید کر دی گئی اور ایک پولیس اہلکار نے جان بوجھ کر قرآن پاک کی بے حرمتی کی۔ ان واقعات سے مسلمانوں میں غم وغصہ پھیلنے لگا اور وہ اس کا اظہار سڑکوں پر مظاہروں کی صورت میں کرنے لگے۔ پولیس نے بہت سے مظاہرین کو گرفتار کر لیا۔ جب ان کا مقدمہ عدالت میں چلا تو بہت سے مظاہرین عدالت کے باہر جمع ہوئے اور کارروائی سننے پر زور دیا۔ پولیس نے ان مظاہرین پر گولی چلائی اور یوں 13 جولائی 1931ء کو 27 افراد شہید اور بے شمار زخمی ہوئے۔ ان واقعات کی خبر ہندوستان کے طول وعرض میں پھیل گئی اور مسلمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ انہی حالات کے باعث کشمیر کے مسلمانوں میں اتحاد کی فضا ابھری اور 14 اگست 1931ء کو پہلی بار جموں میں کشمیر ڈے منایا گیا۔

یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ ٹھیک 16 سال بعد اسی دن پاکستان آزاد ہوا۔ بہرحال ان واقعات کے بعد مسلمانوں میں اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کا جذبہ شدومد سے پیدا ہوا جو کہ آج بھی زندہ ہے۔ اُس وقت اکتوبر 1931ء میں پورے پنجاب میں ''چلو چلو کشمیر چلو'' کی صدائیں گونجنے لگیں۔ اس موقع پر برطانوی حکومت نے مداخلت کی اور ڈوگرہ راج کے مظالم کو روکنے کا کہا گیا۔ یوں یہ تحریک بھی تحریک آزادی کی مکمل شکل نہ اختیار کر سکی۔ انہی دنوں 1933ء میں سرینگر پتھر مسجد میں جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی۔

یہ تحریکیں اگرچہ تحریک آزادی کی شکل اختیار نہ کر سکیں لیکن اس کے باوجود ان تحریکوں کے باعث مسلمانوں میں بیداری کی ایک لہر اٹھی تھی اور وہ منظم ہو رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر ہندوؤں کو شدید تکلیف ہوئی، چنانچہ انہوں نے بھی ہندو انتہا پسند تنظیم راشٹریہ سوائم سیوک سنگھ کو کشمیر میں دعوت دی کہ وہ یہاں اپنے اڈے قائم کرے۔ چنانچہ 1934ء میں آر ایس ایس نے اپنا کام شروع کر دیا اور جابجا اس تنظیم کے مراکز کھل گئے۔ یہ مراکز بظاہر ورزش گاہ اور اکھاڑے کی مانند تھے کہ جہاں ہندو نوجوان جسمانی ورزشیں کرتے تھے، لیکن درحقیقت یہ ریاست کی ہندو اقلیت کو مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے جنگی تربیت فراہم کرنے کے مراکز تھے۔ یہی مراکز بعد ازاں مسلمانوں کے خلاف منظم مظالم اور قتل عام کے لیے استعمال کیے گئے۔

ایک طرف وادیٔ کشمیر میں ڈوگرہ راج کے خلاف کاوشیں جاری تھیں جبکہ دوسری طرف ہندوستان بھر میں تحریک آزادی کو ایک نیا رخ مل چکا تھا۔ 1933ء میں چودھری رحمت علیؒ نے مشہور زمانہ اور تاریخی پمفلٹ Now or Never کے ذریعے باقاعدہ طور پر پاکستان کا مطالبہ پیش کر دیا۔ اس کے بعد برصغیر میں جوں جوں مطالبۂ پاکستان زور پکڑتا گیا ریاست میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے مسلم کانفرنس کا پلہ بھی اسی رفتار سے بھاری ہوتا گیا۔

3 جون 1947ء کو جب تقسیم ہند کا فارمولا منظور ہوا تو برصغیر کی 562 ریاستوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے جغرافیائی اور معاشرتی وسماجی حقائق کے پیشِ نظر اپنی اپنی آبادی کی خواہشات کے مطابق بھارت یا پاکستان سے الحاق کر لیں۔ ریاست جموں وکشمیر کی 80 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ اس کی 600 میل لمبی سرحد پاکستان سے ملتی تھی۔ ریاست کی واحد ریلوے لائن سیالکوٹ سے گزرتی تھی اور بیرونی دنیا کے ساتھ ڈاک اور تار کا نظام بھی پاکستان سے جڑا تھا۔ ریاست کی دونوں پختہ سڑکیں راولپنڈی اور سیالکوٹ سے گزرتی تھیں۔ ان سب حقائق کے پیش نظر ریاست جموں وکشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق لازمی طور پر ایک قدرتی اور منطقی فیصلہ ہونا چاہیے تھا، لیکن مہاراجہ ہری سنگھ اور کانگریسی لیڈروں کے عزائم اس فیصلہ کے بالکل برعکس تھے۔ اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مل کر سازش کا جال بنا، جس کے پھندے میں مقبوضہ ریاست کے بے بس اور مظلوم باشندے آج تک بری طرح گرفتار ہیں۔

جب 14 اگست 1947ء کو تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان ہوا تو ریڈکلف نے واضح طور پر جانبداری کا مظاہرہ کیا اور ناانصافی پر مبنی کئی فیصلے کیے۔ ان سب میں وادی کے حوالے سے اہم یہ تھا کہ گورداسپور کا علاقہ جو مسلم اکثریت کا حامل تھا اسے بھارت کے ساتھ شامل کر دیا گیا تاکہ بھارت کو ریاست تک پہنچنے کا زمینی راستہ دیا جا سکے۔ اس بات کی خبر جب غیور کشمیری باشندوں کو ہوئی تو انہوں نے طے کیا کہ وہ ڈوگرہ راج سے لڑیں گے اور ریاست کا الحاق پاکستان سے کروائیں گے۔ لیکن اس سے قبل ڈوگرہ فوج نے صوبہ جموں میں مسلمان اکثریت کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا اور مسلمانوں کے قتل عام اور ریاست بدری کا طریقہ کار اپنایا گیا۔ چنانچہ اس وقت جموں میں لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا گیا

اور بہت سوں کو اغوا کر لیا گیا۔ بہت سی عورتیں جنھیں پاکستان لے جانے کا کہہ کر ٹرکوں میں بٹھایا گیا، وہ آر ایس ایس کے غنڈوں کے حوالے کر دی گئیں، جنہوں نے ان کی عصمت دری کی اور بعد ازاں انہیں قتل کر دیا۔ یوں جموں میں لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔

جموں کے بعد مہاراجہ کو پونچھ کی فکر سوجھی۔ پونچھ میں 95 فیصد مسلمان تھے۔ یہاں بہت سے ریٹائرڈ فوجی بھی تھے۔ ان تک جب مسلمانوں کے قتل عام کی اطلاع پہنچی تو یہ فوراً لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ وادی کے لوگوں نے عورتوں اور بچوں کو پاکستان منتقل کرنا شروع کیا اور خود سر پر کفن باندھ کر ڈوگرہ فوج سے لڑنا شروع کر دیا۔ چنانچہ راولاکوٹ، وادی جہلم اور بہت سے علاقوں سے ڈوگرہ فوج فرار ہو گئی۔

کشمیر کے لوگوں کی رشتہ داریاں افغانوں اور پٹھانوں کے محسود اور دیگر قبائل سے تھیں۔ عورتیں اور بچے جب وہاں پہنچے تو ان پر ظلم کی داستانیں سن کر ان کے خون کھول اٹھے۔ چنانچہ ان علاقوں سے لشکروں کے لشکر کشمیر کی طرف روانہ ہوئے اور چند ہی دنوں میں مظفر آباد اور ایبٹ آباد کے درمیان ہٹ راوی کے جنگل میں ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ خورشید انور نے اس لشکر کی کمان سنبھالی اور انہوں نے ڈوگرہ فوج سے لڑنا شروع کیا۔ چنانچہ مظفر آباد، کوٹلی، راولاکوٹ اور موجودہ آزاد کشمیر کو نہ صرف ڈوگرہ بلکہ ہندوستانی فوج سے بھی آزاد کروا لیا گیا۔ مہاراجہ اس وقت بھارت فرار ہو چکا تھا اور اس نے بھارت سے مدد مانگی تھی۔ بھارت نے اس شرط پر مدد فراہم کی کہ وہ بھارت سے الحاق کی دستاویزات پر دستخط کرے۔ مہاراجہ نے فوراً حامی بھر لی۔ چنانچہ بھارتی فوجیں بھی سرینگر اور وادی کے دیگر حصوں میں پہنچنا شروع ہو گئیں۔

یوں ریاست کا جو حصہ مجاہدین نے آزاد کروا لیا وہ آزاد کشمیر کہلایا جبکہ باقی ماندہ کشمیر پر بھارت نے اپنا غاصبانہ قبضہ جما لیا۔ چونکہ بھارت اپنی گھناؤنی کارروائیوں سے واقف تھا سو اُس نے دنیا کے سامنے یہ اعلان کرنا شروع کیا کہ کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق محض عارضی اور وقتی ہے، الحاق کا حتمی فیصلہ جموں و کشمیر کے باشندوں کی آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ذریعے کرایا جائے گا۔ اس بات کا اعلان پنڈت جواہر لعل نہرو نے کیا۔ چنانچہ اقوام متحدہ میں بھارت کی طرف سے دائر کردہ جنگ بندی کی اپیل منظور کر لی گئی اور بھارت نے اقوام متحدہ میں قرارداد پیش کی کہ کشمیر کا فیصلہ استصواب رائے سے کیا جائے گا اور انہیں حق خود ارادیت دیا جائے گا۔ یوں 15 اگست 1948ء کو اقوام متحدہ میں قراردادِ حق خود ارادیت منظور کی گئی، لیکن بھارت آج تک اس پر عمل کرنے سے گریزاں ہے اور مسلسل عذر تراشیوں بلکہ ہٹ دھرمی سے کام لے رہا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد بھی کشمیریوں نے اپنی جدوجہد آزادی کو جاری رکھا اور اس میں حالات کے مطابق عروج و زوال آتے رہے۔ 1966ء میں محمد مقبول بٹ نے نیشنل لبریشن فرنٹ کی بنیاد رکھی جس کا مقصد بھی کشمیریوں کو آزادی دلوانا تھا۔ اگرچہ اُسے بغاوت کے الزام میں پھانسی دے دی گئی لیکن یہ پھانسی بھی تحریک آزادی کو ماند نہ کر سکی۔

اس تحریک کو نئی جہت اس وقت ملی جب چند سال قبل کشمیریوں کے مقبول مجاہد مظفر وانی کو بھارتی فوج نے شہید کر دیا۔ اس کے بعد تحریک آزادی میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ بھارت کے لیے اب اس تحریک کو دبانا مشکل ہو گیا، لہٰذا اس نے 5 اگست 2019ء کو آئین میں ترمیم کر کے آرٹیکل 370 اور 35-A کو ختم کر دیا جس کے تحت مقبوضہ کشمیر کو ایک خود مختار ریاست کی حیثیت حاصل تھی اور آئین کی یہ شقیں کشمیر کو بھارت میں ضم کرنے سے روک رہی تھیں۔ مودی کا خیال تھا امریکہ بھارت کا سٹریٹیجک پارٹنر بن چکا ہے، یورپ اسلام دشمنی کی وجہ سے اُس کا ہمنوا ہے۔ اسلامی دُنیا ایسی گہری نیند سو رہی ہے اس کے جاگنے کا دور دور کوئی امکان نہیں۔ پاکستان دو چار دن شور مچا کر خاموش ہو جائے گا اور پھر راوی چین ہی چین لکھے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ پاکستانی حکومت نے مودی کے اِس ناجائز اور غیر قانونی قدم پر آغاز میں تو بڑے جوش و جذبے کے ساتھ ردعمل دیا اور اپنی سفارتی کوششوں میں بھی تیزی لائی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ حکومت اپنے مسائل میں کھو گئی اور مسئلہ کشمیر کی حیثیت پھر ثانوی ہو گئی۔

بھارت کے ان تمام اقدامات کے باوجود آج بھی کشمیریوں کے حوصلے اسی طرح بلند ہیں۔ اس کی واضح مثالیں کشمیر میں بھارتی افواج پر ہونے والے حملے اور بھارت کے یوم جمہوریہ کو ایک بار پھر یوم سیاہ کے طور پر منانے جیسے اقدامات ہیں۔ سخت ترین کرفیو اور محاصرے کے باوجود کشمیریوں نے ایک بار پھر پوری دنیا کو یہ پیغام دیا ہے کہ ہم ہر صورت بھارت سے آزادی حاصل کر کے رہیں گے اور پاکستان سے الحاق ہی کشمیریوں کی اصل منزل ہے۔ اگر سامراجی ذہنیت کا حامل بھارت یہ سمجھتا ہے کہ 5 اگست کے اس ناجائز اقدام سے کشمیریوں کی جدوجہد آزادی دم توڑ جائے گی تو یہ اس کی بہت بڑی بھول ہے۔ یہ کاغذی صفحات پر ردوبدل اور کاغذی کارروائیاں جوش و جذبے سے بھرپور عوامی سطح پر اُٹھنے والی تحریک آزادی کشمیر کو کسی صورت نہیں روک سکیں گی۔ یہ تحریک کشمیر کی آزادی تک جاری رہے گی، ان شاء اللہ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسی تحریک آزادی کے نتیجے میں بھارت بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

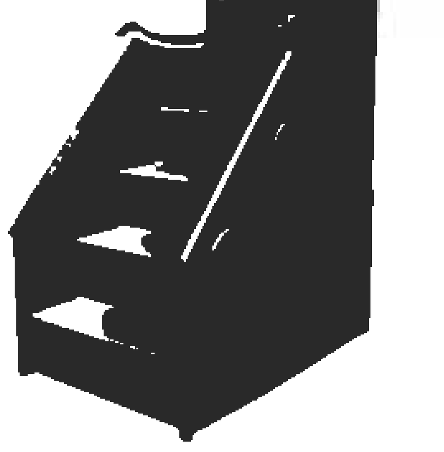

کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا

(سورۃ القمر کی آیات 9 تا 17 کی روشنی میں)

جامع مسجد شادمان ٹاؤن کراچی میں امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ کے 30 جولائی 2021ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد

قرآن حکیم کے سلسلہ وار مطالعہ کے ضمن میں ہم سورۃ القمر کا مطالعہ ہم کر رہے ہیں۔آج ان شاء اللہ ہم جن آیات کا مطالعہ کریں گے ان میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے حالات وواقعات کا تذکرہ ہے۔قرآن حکیم کا بنیادی موضوع تذکیر یعنی یاددہانی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعظ ہے۔وعظ سے مراد وہ بات ہے جو دل کو نرم کردے۔ اس وعظ میں جب اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے واقعات کو سامنے رکھ کر نصیحتیں عطا فرماتا ہے تو یقیناً اس سے دل نرم ہوتے ہیں۔اللہ ہمارے دلوں کو نرم فرمائے۔ارشاد ہوا:

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۝٩﴾ ”جھٹلایا تھا ان سے پہلے نوح کی قوم نے تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ تو مجنون ہے اور اسے جھڑک دیا گیا۔“ (آیت:9)

یہ بات بھی بار بار قرآن حکیم میں آتی ہے کہ ناہنجار اور ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ پیغمبروں کی تکذیب کی بلکہ ان کا مذاق بھی اڑایا۔یہ لفظ مجنون مشرکین مکہ نے بھی نبی اکرم ﷺ کے لیے استعمال کیا تھا۔معاذ اللہ !مشرک قوموں کی ہٹ دھرمی میں یکسانیت نظر آتی ہے۔قوم نوحؑ کہتی تھی کہ ہم صدیوں سے باپ دادا کے دین کی پیروی میں ان بتوں کو ہی معبود مانتے چلے آرہے ہیں اور آج یہ (نوحؑ) کہتا ہے کہ ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔ مشرکین کے نزدیک دیوانگی کی علامت تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر کسی بت کی ناراضگی کا اثر ہوگیا ہے اور اس وجہ سے یہ ایسی باتیں کر رہا ہے۔قوم نوحؑ کا واقعہ دیگر کچھ مکی صورتوں میں کافی تفصیل سے آیا ہے۔ ان میں ذکر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نوسو برس تک مستقل دعوت توحید پیش کی اور کس کس انداز سے انہوں نے دعوت دی‘ اس کا بھی ذکر ہے۔سورہ نوح میں ہے کہ:اے اللہ! میں نے ان کو دن میں بھی پکارا، رات کو بھی پکارا ہے، میں نے ان کو انفرادی طور پر بھی دعوت دی ہے، ان کو میں نے مجمعوں میں بھی دعوت دی ہے، میں نے اکیلے اکیلے جا کر ان کو دعوت دی ہے مگر یہ مان کر ہی نہیں دیتے۔آپؑ 950 برس تک مستقل استقامت کا پہاڑ بنے رہے۔ہمارے ہاں بعض

مرتب: ابو ابراھیم

اوقات دعوتِ دین کا کام کرنے والے، اقامت دین کی جدوجہد کرنے والے چند ماہ پورا زور لگاتے ہیں اور پھر تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں کہ کوئی نتیجہ ہی نہیں نکل رہا۔ ان سے عرض ہے کہ لوگوں نے نبیوں کی بات نہیں مانی ہماری حیثیت کیا ہے؟ ہمارا کام صرف اپنا فرض پورا کرنا ہے۔حتیٰ کہ امام الانبیاء ﷺ کو فرما دیا گیا:

﴿فَذَكِّرْ ۣ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝٢١ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝٢٢﴾ (الغاشیہ) ”تو (اے نبی ﷺ!) آپؐ یاددہانی کراتے رہیے‘ آپؐ تو بس یاددہانی کرانے والے ہیں۔آپؐ ان پر کوئی داروغہ نہیں ہیں۔“

یہ قرآن کریم قصوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ کتاب ہدایت ہے اور اس واقعہ میں ہمارے لیے ہدایت یہ ہے کہ ہم صبر وتحمل کے ساتھ لوگوں کو دعوت دیتے رہیں۔لوگ مانیں نہ مانیں ان کا اپنا مقدر اپنا نصیب ہے۔اگر ان کی قسمت میں ہدایت لکھی ہوگی تو مان لیں گے۔قرآن حکیم میں سورۃ البقرۃ کے شروع میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦﴾ ”یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا (یعنی وہ لوگ کہ جو کفر پر اڑ گئے) ان کے لیے برابر ہے (اے محمد ﷺ) کہ آپ انہیں انذار فرمائیں یا نہ فرمائیں‘ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔“

یہاں اہل علم نے لکھا ہے کہ فرمایا جارہا ہے (سواء علیھم) ان کے حق میں برابر ہے۔یہ نہیں فرمایا (سواء علیك) آپ کے حق میں برابر ہے۔اس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ کو دعوت سے روکا نہیں گیا۔ چاہے مشرکین مانیں نہ مانیں لیکن دعوت کا کام جاری رہنا چاہیے۔یہاں پیغمبر کے ذریعے ہمیں سمجھایا جارہا ہے کہ تم نتیجے سے بے پرواہو کر اپنی محنتیں لگائے چلے جاؤ۔یہ وہ نکتہ ہے جو سمجھنا بہت ضروری ہے ورنہ کئی مرتبہ ظاہر کے نتائج میں ناکامیاں دیکھ کر یا ظاہر کے معاملات میں ناکامیاں دیکھ کر، تاریکیاں اور اندھیرے دیکھ کر لوگ مایوس ہوجاتے ہیں اور دین کا کام ہی چھوڑ دیتے ہیں۔یا پھر کچھ لوگ دین کا تصور ہی بگاڑ دیتے ہیں۔مثال کے طور پر ہماری اصل دعوت یہ ہے کہ اللہ کا دین ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور وہ اپنا غلبہ چاہتا ہے اور اس غلبے کی جدوجہد کرنا ہمارا فرض ہے، نتیجہ نکالنا ہمارا فرض نہیں وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ لیکن بعض مرتبہ کچھ لوگوں نے دیکھا کہ نتیجہ نہیں نکل رہا تو

انہوں نے سرے سے غلبہ دین کی فرضیت کا ہی انکار کر ڈالا۔ یعنی اقامت دین کی جدوجہد کا ہی انکار کر ڈالا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون! صرف اس وجہ سے کہ نتیجہ سامنے نہیں آرہا۔ ارے تم نتیجہ کے مکلف ہو ہی نہیں، تم نتائج کے ذمہ دار ہو ہی نہیں۔ اللہ تم سے نتیجے کے بارے میں سوال ہی نہیں کرے گا۔ محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے کتنے انبیاء علیہم السلام غلبۂ دین کی منزل دیکھے بغیر دنیا سے چلے گئے۔ مگر وہ تو اللہ کے ہاں کامیاب ہیں۔ محنت کرنا، جدوجہد کرنا ہمارا فرض ہے نتیجے کے ہم مکلف نہیں۔ یہ جو پیغمبروں کی داستانیں اور واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں یہ اہل ایمان کی inspiration and motivation کے لیے ہیں تاکہ وہ دین اور غلبۂ دین کی جدوجہد میں اپنی جان، مال، وقت، صلاحیتیں کھپا کر اللہ کے ہاں زیادہ سے زیادہ انعامات کے حقدار بن جائیں۔

آگے فرمایا:

﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩﴾ ''تو اُس نے پکارا اپنے رب کو کہ میں مغلوب ہو چکا ہوں' اب تُو اُن سے انتقام لے۔'' (القمر)

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ نبی اپنی قوم کے لیے شفیق والد کی طرح ہوتے ہیں مگر نبی میں غیرت دینی بھی ہوتی ہے اور اللہ بھی بعض اوقات حق و باطل کے درمیان فیصلہ فرما دیتا ہے تاکہ بعد والوں کے لیے حجت قائم ہو جائے۔ اس لیے بعض اوقات پیغمبر اس فیصلے کی دعا بھی کرتے ہیں جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے آخرکار یہ دعا کی:

''اے اللہ میرے اور میری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے''۔ آگے فرمایا:

﴿فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪﴾

''تو ہم نے کھول دیے آسمان کے دروازے اس پانی کے ساتھ جو مسلسل چھاجوں برستا رہا۔'' (القمر)

یعنی بہت شدید بارش اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسا دی۔

﴿وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫﴾ ''اور ہم نے زمین کو پھاڑ کر چشمے ہی چشمے کر دیا تو وہ سارا پانی مل گیا ایک ایسے کام کے لیے جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔''

ایسا لگا کہ ساری زمین سے چشمے ہی چشمے پھوٹ پڑے ہیں اور آسمان سے بھی چھاجوں پانی برس رہا ہے۔ یہ سارا انتظام قوم نوح کے مشرکین کے دردناک عذاب کے لیے ہو رہا تھا جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

بائبل کی ایک روایت کے مطابق ساڑھے نو سو برس کی تبلیغ کے بعد کم و بیش ستر یا اسی افراد ایمان لائے۔ آج لوگوں کو نمبرز اور فیگرز کی بڑی فکر ہوتی ہے۔ مجمع چھوٹا ہو تو دل بھی چھوٹا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مجمع کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اصل مسئلہ حق بات پہنچانا ہے اور پھر یہ دیکھنا ہے کہ ہم خود بھی حق کے تقاضوں پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ کی وہ حدیث ذہن میں رہنی چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت والوں کی 120 صفیں ہوں گی۔ ان میں سے 80 صفیں میری اُمت کی ہوں گی۔ یعنی جنت والوں میں سب سے زیادہ کثرت اس امت کی ہوگی۔ اللہ ہمیں ان میں شامل فرمائے۔ لیکن اللہ کے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کوئی پیغمبر ایسے بھی ہوں گے جن کے ساتھ صرف 10 افراد آئے ہوئے ہوں گے، کوئی ہوگا جس کے ساتھ 5 آئے ہوں گے اور کوئی ہوگا جس کے ساتھ ایک بھی نہیں ہوگا۔ دین کے کام میں جو محنت کر رہے ہیں ان کے لیے اس میں سبق ہے کہ وہ مایوس نہ ہوں بلکہ صرف اپنے کام پر توجہ دیں، نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں۔

بہرحال قوم نوح کے لیے فیصلے کا دن آ گیا اور تفاسیر میں بیان ہوا ہے کہ چالیس دن تک پانی برستا رہا اور زمین سے چشمے ابلتے رہے۔ جب سیلاب بستی پر چڑھ دوڑا تو:

﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ⑬﴾ ''اور ہم نے اُسے سوار کر دیا اس (کشتی) پر جو تختوں اور کیلوں سے

پریس ریلیز 6 اگست 2021ء

5 اگست کشمیر کی تاریخ کا ایک اور سیاہ دن ہے

شجاع الدین شیخ

5 اگست کشمیر کی تاریخ کا ایک اور سیاہ دن ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کہی۔ اُنھوں نے کہا کہ تقسیم ہند کے فوراً بعد بھارت نے تمام طے شدہ ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا لیکن جب غیور قبائلی مجاہدین کشمیر کی طرف بڑھے تو اپنی شکست کو نوشتہ دیوار سمجھ کر بھارت نے سلامتی کونسل سے استصواب رائے کی قرارداد منظور کروالی بھارت آغاز میں استصواب رائے کے حوالے سے ٹال مٹول سے کام لیتا رہا لیکن بعد ازاں مکمل طور پر مکر گیا۔ اور اپنے آئین میں 370 اور 35-A داخل کر کے کشمیر کو خصوصی حیثیت دینے کا ڈراما رچا لیا۔ لیکن بھارت اِس نمائشی خصوصی حیثیت کو بھی زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا اور 5 اگست 2019ء کو اپنے آئین کے آرٹیکل 370 اور 35-A کو ختم کر دیا جس سے مقبوضہ کشمیر کی خصوصی حیثیت بھی مکمل طور پر ختم ہوگئی اور پھر اس خوف سے کہ کشمیری اپنے ردعمل کا اظہار کریں گے کشمیر کو ایک بڑی جیل میں تبدیل کر دیا اور کشمیریوں پر ہونے والا ظلم و تشدد بدترین صورت اختیار کر گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے ہر کیے ہوئے وعدہ سے منحرف ہونے کی بھارتی داستان صاف ظاہر کرتی ہے کہ وہ کسی صورت کشمیر کے عوام پر اپنے ناجائز تسلط کو ختم کرنے کو تیار نہیں بلکہ اِسے دوام دینے کے درپے ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ دنیا بھر میں انسانی حقوق کے علمبردار کہلانے والے مغربی ممالک اور بین الاقوامی ادارے بھارت کے 5 اگست کے سفاکانہ اقدامات کے نہ صرف حامی بلکہ اس ظلم میں اُس کے شراکت دار بھی بن چکے ہیں اور بھارت کے اس غیر انسانی اور بین الاقوامی قوانین کے سراسر خلاف طرزِ عمل کو ردّ کرنا تو دور کی بات ہے زبان سے بھی اُس کی مذمت کرنے پر تیار نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ افسوس کا مقام ہے کہ عالم اسلام کے اکثر ممالک بھارت سے تجارتی اور سفارتی مفادات کی توقع میں مظلوم کشمیریوں کی بجائے بھارت کے حامی نظر آتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ کشمیری ''پاکستان سے رشتہ کیا: لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ لگاتے ہیں اگر پاکستان میں عملی طور پر لا الٰہ الا اللہ نافذ ہو جائے تو کشمیریوں میں ایسا جوش اور ولولہ پیدا ہوگا کہ دنیا کی کوئی طاقت کشمیر کی آزادی کو روک نہیں سکے گی۔ ان شاء اللہ!۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

بنی تھی۔‘‘

طوفان سے قبل ہی اللہ کے حکم سے حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنانا شروع کر دی تھی۔ مشرکین یہ دیکھ کر مذاق اُڑاتے کہ خشکی میں چلانے کے لیے کشتی تیار ہو رہی ہے۔ پیغمبر نے فرمایا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ آگے فرمایا:

﴿تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ⑭﴾ ’’جو چل رہی تھی ہماری نگاہوں کے سامنے۔ یہ بدلہ تھا اُس شخص کے لیے جس کی ناقدری کی گئی تھی۔‘‘

حضرت نوح علیہ السلام اس قوم بھلائی چاہتے تھے اور مخلصانہ جدوجہد اس لیے کر رہے تھے تاکہ وہ عذاب سے بچ جائے، انہوں نے ساڑھے نوسو سال محنت کی، دن رات ایک کیا، دعوت کے لیے ہر طریقہ اختیار کیا۔ لیکن بدلے میں قوم نے نہ صرف انہیں ٹھکرایا بلکہ ان کا مذاق بھی اڑایا، انہیں مجنون کہا اور ذہنی اذیتیں دیں۔ لوگوں نے ان کی ناقدری کی لیکن اللہ نے ان کی کیسی قدر افزائی کی کہ چند ماننے والوں کے سوا ساری قوم کو اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا۔

یہاں یہ نکتہ سمجھنے کا ہے کہ پیغمبر کی ذات کس قدر رحمت والی ہوتی ہے، کس قدر عظمت والی ہوتی ہے، پیغمبر کی ذات کس قدر قدر والی ہوتی ہے۔ اگر اس کی شان میں گستاخی ہو، اگر اس کی توہین کی جائے، اگر اس کی اہانت کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے اور ناقدری کرنے والوں، اہانت کرنے والوں کو سخت سزا دیتا ہے۔ آگے ارشاد ہوا:

﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑮﴾ ’’اور ہم نے اسے چھوڑ دیا ایک نشانی کے طور پر تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا!‘‘

یعنی اس کشتی کو اللہ تعالیٰ نشانی قرار دیتا ہے۔ جیسے فرعون کی لاش کو بعد والوں کے لیے نشانی بنایا۔ فرعون کی لاش تو دریافت ہو چکی ہے، اسی طرح قوم لوط کی باقیات بھی دریافت ہو چکی ہیں۔ ایک دن یہ کشتی بھی دریافت ہو جائے گی۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا کہ اس کو نشانی بنایا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ مقررہ وقت پر اس کی باقیات دنیا کے سامنے آجائیں گی۔ آگے فرمایا:

﴿فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ⑯﴾ ’’تو کیسا رہا میرا عذاب اور میرا خبردار کرنا!‘‘

قوم نوح کا ذکر ہماری نصیحت کے لیے کیا گیا کہ ہمیں سبق حاصل ہو اور ہم خبردار ہو جائیں۔ قرآن ہمیں بھی خبردار کر رہا ہے۔ اے اللہ کے بندو! سود کو چھوڑ دو، بے پردگی اور بے حیائی کو چھوڑ دو، فحاشی اور عریانی سے باز آجاؤ۔ لیکن ہمارے سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کے اندر کیا ماحول ہے؟ دیکھ کر ہماری نگاہیں شرم سے جھک جاتی ہیں، ہماری شادی بیاہ کی تقریبات کی کیا حالت ہے؟ ہماری بیٹیوں کے لباس اور مادر پدر آزاد معاشرت کہاں پہنچ چکی؟ کیسے گوارا کر لیتے ہیں والدین جب جوان بیٹیاں نامحرم کے ساتھ دوسرے شہر میں جا کر فون کرتی ہیں: گھومنے آئے ہیں دو دن بعد گھر پہنچوں گی؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم کہاں پہنچ چکے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جس کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا؟ آج سے پندرہ سال قبل کلفٹن میں ہمیں ایک درس کے لیے بلایا گیا۔ جا کر دیکھا تو کمپاؤنڈ میں پردے کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ ہم نے کہا کم از کم قناتیں تو لگاؤ، مردوں کو ایک طرف کرو عورتوں کو ایک طرف کرو۔ ایک بوڑھا شخص جو کم و بیش ستر سال کا ہوگا بیٹھ کر رو رہا تھا۔ ہم نے پوچھا محترم! کیوں رو رہے ہیں؟ بولے: ہم قنوج (ہندوستان) سے اپنا علاقہ چھوڑ کر آئے، لاکھوں کروڑوں کا بزنس تھا، ہم اس لیے چھوڑ کر آئے تھے کہ یہاں چار دیواری کا تقدس ہوگا، یہاں پردے کا اہتمام ہوگا، یہاں حیا کی حفاظت کا معاملہ ہوگا۔ یہ آج سے پندرہ سال پہلے کی بات ہے۔ آج ہم 2021ء میں ہیں۔ شرعی پردے کی بات کرو تو لوگوں کے چہرے بگڑتے ہیں، مرد اور عورت کے آزاد اختلاط کو روکنے کی بات کرو تو لوگ کہتے ہیں تم دقیانوس ہو تم بیک ورڈ اور آؤٹ ڈیٹڈ ہو تم پتھر کے زمانے کی باتیں کرتے ہو۔ نتیجہ کیا بھگت رہے ہیں، روز خبریں آتی ہیں: نشے، شراب، راتیں پوری گزارنے اور آزاد اختلاط اور نکاح کے انکار کا معاملہ اور زنا کا معاملہ اور پھر نتیجے قتل کی صورت میں سامنے آرہے ہیں۔ ابھی تازہ تازہ خبریں گردش کر رہی ہیں اسلام آباد میں ایک لڑکی کا گلہ نامحرم نے کاٹ ڈالا۔ خدارا! آنکھیں کھولیں، ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ اللہ پتھر ہی برسا کر ہمیں مارے۔ استغفر اللہ۔ معاذ اللہ اللہ کے عذاب کو دعوت نہیں دینی چاہیے۔ اللہ حفاظت فرمائے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ قوموں میں جب اخلاقی بگاڑ آتا ہے تو اللہ کی طرف سے پکڑ بھی آتی ہے۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے کہ ساری امت نہ مٹادی جائے۔ اس دعا کے طفیل ہم بچے ہوئے ہیں مگر اس کے باوجود بھی جو کچھ ہم بھگت رہے ہیں یہ بھی کسی بڑے عذاب سے کم نہیں۔ کیا یہ اللہ کی طرف سے مختلف تنبیہات نہیں ہیں۔ قرآن قصوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ ہدایت کی کتاب ہے۔ اس لیے اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑰﴾ ’’اور ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے نصیحت اخذ کرنے کے لئے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا!‘‘

اللہ تو پوچھ رہا ہے، اللہ تو اپنی دعوت دے رہا ہے لیکن ہمارا جواب کیا ہے کہ اے اللہ! ہم نے رمضان میں قرآن سن لیا تھا، ختم شریف ہوا اور ہم نے مٹھائی بھی تقسیم کر دی تھی، بچے کی آمین کرائی تھی، خاندان والوں کو کھانا کھلا دیا تھا، ایک بچہ خاندان کا ہم نے حافظ بنا لیا کیونکہ وہ خاندان کی شفاعت کرے گا؟ شفاعت کی احادیث کے ہم قائل ہیں۔ میرے بھی ماشاء اللہ تین بچے حافظ ہیں۔ باقی تین کر رہے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین! مگر آخری مرتبہ آپ نے اور میں نے کب قرآن کھولا تھا اور کب آخری مرتبہ ترجمے کے ساتھ پڑھا تھا اور سمجھنے کی کوشش کی تھی کہ اللہ ہم سے کیا تقاضا کر رہا ہے؟ اللہ تو فرما رہا ہے کہ ہم نے تو آسان کر دیا تم میں سے کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم پر دل سے ایمان عطا فرمائے، اس کی باقاعدہ تلاوت کی توفیق دے، اس کو سمجھنے کی توفیق دے اور اس پر عمل کی توفیق دے۔ اس کے احکام کے نفاذ کی توفیق دے اور اس کے پیغام کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

دعائے صحت کی اپیل

☆ لاہور غربی، چوہنگ تنظیم کے ملتزم رفیق محترم ظہیر الدین بابر کا دل کا آپریشن ہوا ہے۔

برائے بیمار پرسی: 0300-4343167

اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء و احباب سے بھی ان کی مکمل صحت یابی کے لیے دعا کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا

شواہد بتاتے ہیں کہ افغان سفیر کی بیٹی کے مبینہ اغوا کا ڈراما کٹھ پتلی افغان حکومت نے امریکہ اور بھارت کی ہدایتکاری پر رچایا جس کا مقصد پاکستان کو بدنام کرنا تھا: ایوب بیگ مرزا

داسو ڈیم دہشت گردی واقعہ درحقیقت اُن عالمی قوتوں کی کارستانی ہے جن کے لیے پاک چین تعلقات تکلیف دہ ہیں اور سی پیک کو سبوتاژ کرنا چاہتی ہیں: رضاء الحق

داسو ڈیم حملہ، افغان سفیر کی بیٹی کا مبینہ اغوا اور موبائل ڈیٹا کی چوری کے موضوعات پر
حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام "زمانہ گواہ ہے" میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: وسیم احمد

سوال: داسو ڈیم پر کام کرنے والے پاکستانی اور چینی ورکرز کی بس پر دہشت گرد حملے کے پس پردہ مقاصد کیا تھے۔ نیز اِس دہشت گردی کے واقعے پر پاکستان اور چین کی مشترکہ تحقیقات کے کیا نتائج ہیں اور وہ کہاں تک پہنچی ہیں؟

رضاء الحق: داسو ہائیڈرو پاور سٹیشن سی پیک کا حصہ تو نہیں ہے لیکن انرجی ضروریات میں پاکستان کی مدد کرنے کے لیے چین کی کمپنی CGGC اس پروجیکٹ پر کام کر رہی ہے اور بالائی کوہستان میں یہ ڈیم تعمیر ہو رہا ہے۔ 14 جولائی کو اس پروجیکٹ پر کام کرنے والے چینی اور پاکستانی انجینئرز کی بس کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا۔ اس واقعہ میں 9 چینی اور 4 پاکستانی انجینئرز جاں بحق جبکہ 28 زخمی ہوگئے۔ واقعہ کے بعد پاکستان کی طرف سے پہلا بیان یہ دیا گیا کہ یہ دہشت گردی کا واقعہ نہیں تھا بلکہ ایک حادثہ تھا لیکن پھر چین نے پریشر ڈالا کہ اس کی مزید تحقیق کی جائے۔ پاکستان نے مزید تحقیق کی تو یہ بات واضح ہوکر سامنے آئی کہ اس بس کے اندر ایک ریموٹ کنٹرول homemade device رکھی گئی تھی جس کے بلاسٹ ہونے سے بس آؤٹ آف کنٹرول ہوکر کھائی میں جا گری۔ پاکستان چین تعلقات اور سی پیک کے حوالے سے یہ بڑا اہم علاقہ ہے۔ JCC کی میٹنگ دو سال سے التوا میں تھی لیکن اب یہ میٹنگ 16 جولائی کو ہونی تھی لیکن اس سے پہلے 14 جولائی کو دہشت گردی کا یہ واقعہ ہوگیا جس کے بعد عارضی طور پر چین نے یہ پروجیکٹ بند کر دیا اور JCC کی میٹنگ موخر کر دی گئی۔ اس کے بعد ہمارے ڈی جی ISI اور وزیر خارجہ نے چین کا دورہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ بالائی کوہستان کے اس علاقے میں ٹی ٹی پی اور داعش کے تخریب کار عناصر رہے ہیں۔ یہ سب یا تو افغان فنڈڈ تھے یا 'را' فنڈڈ تھے۔ بہرحال اب چین نے کہا کہ ہم تحقیقات سے مطمئن ہیں اور اب ہم اس کام کو دوبارہ شروع کر دیں گے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ چین کے ترجمان سے پوچھا گیا کہ کیا اس واقعہ کے پیچھے افغان طالبان کا ہاتھ ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ افغان طالبان اور ٹی ٹی پی میں فرق ہے۔ یعنی اس میں ٹی ٹی پی جیسے لوگ ملوث ہو سکتے ہیں اور یہ

مرتب: محمد رفیق چودھری

حقیقت ہے کہ پاک چین تعلقات اور سی پیک کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے یہ واقعہ کروایا گیا اور دیکھا جائے تو اس کا فائدہ صرف انڈیا، امریکہ یا افغان حکومت کو ہو سکتا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان اور چین کے تعلقات کو خراب کیا جائے ۔ یہ واقعہ بھی اسی طرح کی دہشت گردی کا تھا جس طرح کچھ عرصہ پہلے سرینا ہوٹل کوئٹہ میں چائینز کو ٹارگٹ کیا گیا تھا۔

سوال: کوہستان میں ہونے والے اِس دہشت گرد حملے کے بعد ہمارے وزیر خارجہ اور ڈی جی ISI نے دورہ چین کیا۔ چینی حکومت کا دباؤ بھی آیا کہ دہشت گردی کے اصل مجرموں کو جلد از جلد کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ اِس بارے میں بھی متضاد اطلاعات آئیں کہ آیا چینی کمپنی نے داسو ڈیم پر کام کو روک دیا ہے یا نہیں۔ آپ کے نزدیک یہ تمام معاملات کتنی اہمیت کے حامل ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: جس شخص کا عالمی سیاست سے تھوڑا بہت تعلق ہے وہ یہ جانتا ہے کہ ایک دنیا کو پاک چین دوستی بڑی کھٹکتی ہے، بالخصوص سی پیک پروجیکٹ کے بعد یہ دوستی ایک دنیا کو زہر لگتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں ممالک عالمی سطح پر اپنے معاملات کو آگے بڑھانے کے لیے ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور یہ بات میں پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ جتنی ضرورت چین کو پاکستان کی ہے شاید پاکستان کو چین کی اتنی ضرورت نہیں۔ یہ بات چین اچھی طرح جانتا ہے۔ بہرحال پاک چین دوستی پر ضرب لگانے کے لیے ہی یہ دہشت گردی کا واقعہ کروایا گیا ہے اور پاکستان پر سکیورٹی یقینی نہ بنا سکنے کا الزام بھی درست ہے۔ 9 چینیوں کا مر جانا اور کچھ کا زخمی ہو جانا یقینی طور پر تشویش کی بات ہے۔ جس ملک کے باشندے مریں گے وہ تو اپنی تشویش کا اظہار کرے گا جبکہ پاکستان کو سکیورٹی کی ضمانت دینی چاہیے تھی لیکن پاکستان ان کی جان کی حفاظت نہیں کر سکا۔ اس صورتحال میں جب کہ دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والا نیچے تو دباؤ اور زیادہ ہوگا کیونکہ چین کا ہاتھ دینے والا ہے اور پاکستان کا لینے والا ہے۔ ہمارے بعض لوگوں نے اس ایشو کو زیادہ سنجیدگی سے لے لیا ہے۔ جہاں تک ڈی جی آئی ایس آئی کے دورے کا تعلق ہے تو وہ شاید اسی حوالے سے ہے جبکہ ہمارے وزیر خارجہ کا دورہ اس حوالے سے نہیں تھا بلکہ افغانستان کے حوالے سے تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے پاک چین تعلقات خراب ہو جائیں گے جبکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ پاک چین تعلقات بہت مضبوط ہیں ۔ اب چینی سفیر کی جانب سے یہ بات آگئی ہے کہ وہاں کام دوبارہ شروع ہو جائے گا۔ انہوں نے عارضی طور پر کام روک کر پاکستانیوں کو نکالا تھا۔ ظاہر ہے انہوں نے اپنا غصہ تو دکھانا ہے کیونکہ ان کے بندے مرے ہیں۔ لیکن چین اتنا احمق نہیں ہے کہ اس واقعہ کی وجہ سے پاکستان سے تعلقات خراب کرے گا۔

سوال: چین کا مطالبہ تو ہے کہ جو بھی اس واقعہ کے culprits ہیں ان کو سامنے لایا جائے؟

ایوب بیگ مرزا: چین کا حق ہے کہ وہ یہ مطالبہ کرے لیکن چین ہم سے زیادہ جانتا ہے کہ ایسا کرنے والے کون ہیں ۔ البتہ ایسے لوگ بہت غلط فہمی میں ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی دہشت گردی کے واقعات کر کے وہ پاک چین دوستی میں کوئی رخنہ ڈال دیں گے۔ پاک چین دوستی دونوں ممالک کی ضرورت ہے۔ آج سے سال ڈیڑھ سال پہلے ہمارے سعودی عرب سے تعلقات اتنے خراب ہوئے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی صورت اب یہ تعلقات بحال نہیں ہو سکتے اور سعودی عرب کے بارے میں یہ تاثر سامنے آنا شروع ہو گیا تھا کہ وہ اب بھارت کا دوست اور پاکستان کا دشمن بن جائے گا۔لیکن حال ہی میں سعودی وزیر خارجہ نے پاکستان کا دورہ کیا۔ایک بہت بڑا پلان بن رہا ہے جس کے تحت سعودی ولی عہد پاکستان کا دورہ کریں گے۔یعنی ملکوں کے تعلقات اتنے کمزور نہیں ہوتے کہ اتنے چھوٹے واقعات سے خراب ہو جائیں۔

سوال: افغان سفیر کی بیٹی کے مبینہ اغوا کا واقعہ آپ کے نزدیک حقیقت تھا یا افسانہ؟ اس ڈراما کے ڈراپ سین کے بعد افغان حکومت کا اپنے سفارتی عملہ کو واپس بلانا کیا اپنی خفت مٹانے کی ایک کوشش نہیں تھی؟

رضاء الحق: مبینہ کا لفظ اس پورے واقعے کا key word ہے۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی فلم کا پلاٹ (Plot) تھا لیکن فلم بُری طرح سے ناکام ہو گئی۔ بہرحال یہ افسانہ تھا، حقیقت اس میں کچھ بھی نہیں تھی۔ جہاں تک افغان حکومت کے ردعمل کا معاملہ ہے تو وہ ان کی اپنی فرسٹریشن کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ افغان طالبان آگے بڑھ رہے ہیں اور کابل انتظامیہ ڈوبتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ دوسری طرف انڈیا کی بھی اپنی فرسٹریشن ہے کیونکہ اس کا رول افغانستان میں کم ہوتا جا رہا ہے اور اس کی بہت بڑی انوسٹمنٹ اور پاکستان پر حملے کے مواقع ڈوب رہے ہیں۔ چین سے اس کو علیحدہ مار پڑ رہی ہے۔ پھر امریکہ بھی خوشی خوشی یہاں سے نہیں گیا۔ بہرحال وہ سب چاہتے ہیں کہ پاکستان کو کسی نہ کسی طرح بدنام کیا جائے۔ مبینہ طور پر اغوا کے اس واقعہ کو سب سے پہلے انڈین میڈیا نے اٹھایا اور اس کی آڑ میں پاکستان کو دنیا میں بدنام کرنے کی کوشش کی۔ واقعہ اس طرح گھڑا گیا کہ سفیر کی بیٹی بیکری پر گئی، وہاں سے ایک ٹیکسی ڈرائیور اور کچھ لوگوں نے اس کو اغوا کیا، مارا پیٹا اور سڑک کے کنارے بے ہوش چھوڑ کے چلے گئے۔لیکن بعد میں جب تحقیقات کی گئیں اور سی سی ٹی وی کیمروں سے ریکارڈ لیا گیا، موبائیل ٹریکنگ کی گئی اور ٹیکسی ڈرائیوروں اور خود سفیر کی بیٹی سے بیانات لیے گئے تو معلوم ہوا کہ پہلے والی کہانی جھوٹ پر مبنی تھی اور گھڑی گئی تھی۔ آئی جی پولیس اور وزیر داخلہ نے پریس بریفنگ میں بتایا کہ مذکورہ خاتون کھڈا مارکیٹ سے ایک ٹیکسی میں گئی، پھر اپنے گھر کو بائی پاس کر کے دامن کوہ میں دوسری ٹیکسی پر گئی، پھر ایک اور ٹیکسی لے کر راولپنڈی گئی، پھر فاطمہ جناح پارک میں گئی۔اس پوری نقل وحرکت کے تناظر میں جب اس کے بیانات کو سامنے رکھا جائے تو یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اس پر کوئی تشدد نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ سارا ڈراما پاکستان کو بدنام کرنے اور یہ ثابت کرنے کے لیے رچایا گیا کہ پاکستان ایک ''روگ ملک'' ہے جس میں

> **داسو ڈیم حملہ کے حوالے سے چین کے ترجمان سے پوچھا گیا کہ کیا اس واقعہ کے پیچھے افغان طالبان کا ہاتھ ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ TTP اور افغان طالبان میں فرق ہے۔**

غیر ملکی سفارت کار بھی محفوظ نہیں۔ یعنی انہوں نے ایک کیس بنانا تھا کہ پاکستان دہشت گردوں کی آماجگاہ بن چکا ہے اور حالات پاکستان کے کنٹرول میں نہیں ہیں۔ اس واقعہ کی ابھی تحقیقات جاری تھیں کہ ہمارے تجزیہ نگار، کالم نگار اور بالخصوص سیکولر ولبرل طبقہ نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ پاکستان تو سفیروں کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔ پھر جب تحقیقات سے یہ سازش بے نقاب ہو رہی تھی تو افغان سفیر اپنی بیٹی کو لے کر افغانستان چلا گیا تا کہ کوئی تحقیق ہو ہی نہ سکے۔ اخلاقی گراوٹ کی انتہا دیکھیں کہ اس پورے معاملے میں ایک خاتون کو ملوث کیا گیا۔ بہرحال اس پورے معاملے میں انڈیا، اس کی ایجنسی 'را' یا افغان حکومت ملوث ہو سکتی ہے اور اس کے پیچھے ہدایت کاری امریکہ کی ہو سکتی ہے جس کا مقصد پاکستان کو دنیا میں بدنام کرنا ہے۔ پاکستان کو چاہیے کہ مکمل تحقیقات کر کے اس واقعے کو اپنے منطقی انجام تک پہنچائے تا کہ دنیا کو اصل حقائق کا پتا چل سکے کہ یہ ایک جھوٹ تھا۔

ایوب بیگ مرزا: شواہد بتاتے ہیں کہ افغان سفیر کی بیٹی کے مبینہ اغوا کا ڈراما کٹھ پتلی افغان حکومت نے امریکہ اور بھارت کی ہدایتکاری پر رچایا جس کا مقصد پاکستان کو بدنام کرنا تھا۔ یہ بالکل واضح ہو گیا ہے کہ یہ امریکہ اور 'را' کی سازش تھی۔ ہمارے تجزیہ نگاروں نے جو جھوٹا پروپیگنڈا کیا کہ پاکستان ناکام ہو گیا اور یہاں تک کہا کہ ہم افغانستان سے معافی مانگتے ہیں۔ ان لوگوں میں کم از کم اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہیے تھی کہ وہ اب کہتے ہم افغانستان کے اس اقدام کی مذمت کرتے ہیں۔لیکن ہمارے ہاں مخالفت برائے مخالفت ہے۔ اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کو وہ تسلیم کر لے۔

سوال: افغان مشیر برائے سلامتی اُمور حمداللہ محب نے پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کی جس پر پاکستان نے ریاستی سطح پر اُس کا ہر طرح کا بائیکاٹ کر دیا اس کے باوجود ملک کے تین مرتبہ وزیر اعظم رہنے والے نواز شریف صاحب نے لندن میں اُس سے ملاقات کی۔ پھر اس کی تفصیل دیتے ہوئے یہ کہا کہ یہ ملاقات اشرف غنی کے کہنے پر کی گئی تھی۔ آپ کے خیال میں نواز شریف صاحب کا اتنے Unwanted بندے سے ملاقات کرنا مناسب اقدام تھا اور اگر انہوں نے کی ہے تو اس کے مستقبل میں پاکستانی سیاست پر اثرات ہوں گے؟

ایوب بیگ مرزا: حمداللہ محب کے بارے میں آپ نے ہرزہ سرائی کا بہت نرم لفظ استعمال کیا۔ پاکستان میں ایک پناہ گزین کے طور پر دو مرتبہ رہنے والے اس شخص نے نمک حرامی کی اور بدترین الفاظ پاکستان کے لیے استعمال کیے۔ ایسے شخص کے بارے میں کیا کہا جائے جس نے پاکستان کو گندی گالی دی ہے۔ لہٰذا ہمارا ری ایکشن بھی اس کے مطابق ہونا چاہیے تھا۔ افسوس کہ کسی سطح پر بھی اس طرح کا سخت ردعمل نہیں آیا۔ حمداللہ محب سے کوئی چیز بعید نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس نے پنجابیوں کو درجنوں گالیاں دیں۔ پھر اس نے کہا کہ پشاور تو سامراجی قوتوں نے پاکستان کے حوالے کر دیا تھا پشاور تو ہمارا ہے۔ انسان کی اصلیت کا پتا اس کی زبان سے چلتا ہے۔ اس شخص نے جو زبان استعمال کی ہے اس سے تو یہی معلوم ہوا کہ یہ شخص انسانیت سے بھی گرا ہوا شخص ہے۔ ایسا شخص کابل انتظامیہ کا سفارت کار ہے حالانکہ سفارت کاری میں انسان کو بہت خیال رکھنا چاہیے۔ جہاں تک نواز شریف کا اس سے ملنے کا معاملہ ہے تو ہمیں اس ملاقات سے افسوس ہوا۔ پاکستان جتنا ہمارا ہے اتنا نواز شریف کا بھی ہے اور پاکستان کو گالی ہر پاکستانی شہری کو گالی ہے۔ بہرحال نواز شریف کو یہ ملاقات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ سیاسی طور پر یہ ملاقات انہیں مہنگی پڑے گی۔ اگر نواز شریف کی حمداللہ سے ملاقات

پہلے سے طے تھی تو انہیں یہ ملاقات کینسل کر لینی چاہیے تھی بلکہ جب یہ شخص ملاقات کے لیے آتا تو اس کو دھتکار کر نکال دیا جاتا۔ بہر حال یہ اچھا نہیں ہوا۔ پاکستان کو حمد اللہ محب کو ہر سطح پر ٹارگٹ کرنا چاہیے۔

سوال: عالمی سطح پر اسرائیلی سافٹ ویئر پیگاسس کے ذریعے فون ہیکنگ کا ایک نیا اسکینڈل سامنے آیا ہے جس کے مطابق وزیر اعظم عمران خان اور لبنان کے سابق وزیر اعظم رفیق الحریری سمیت دیگر کئی عالمی راہنماوں کے ٹیلی فونز کی جاسوسی کی جارہی تھی۔ یعنی ان کے فون کی خفیہ معلومات حاصل کی جاتی رہیں۔ آپ کے نزدیک اِس اسکینڈل کی تفصیلات اور پس پردہ مقاصد کیا ہیں اور اس وقت تک اس اسکینڈل پر جو بھی کام ہوا ہے کیا وہ تسلی بخش ہے؟

رضاء الحق: NSO گروپ پوری دنیا میں حکومتوں اور ایجنسیز کو جاسوسی سافٹ ویئر سپلائی کرتا ہے۔ اس کا تعلق اسرائیل سے ہے۔ اس نے مختلف ممالک کے سربراہان جن میں پاکستان کے عمران خان، لبنان کے رفیق الحریری، انڈیا کے راہول گاندھی اور عرب ممالک کے کچھ شہزادے بھی شامل ہیں ان کی فون کالز کی جاسوسی کی۔ وزیر اعظم عمران خان کے فون کی ہیکنگ اس وقت ہوئی تھی جب وہ اپوزیشن میں تھے۔ یہ چند بڑے نام ہیں لیکن اس کی لسٹ بڑی لمبی ہے۔ اس طرح کی لسٹس بکتی ہیں، خریدی جاتی ہیں اور ان کی بنیاد پر جاسوسی سافٹ ویئر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسرائیل ہیکنگ میں بھی اور جاسوسی میں بھی مشہور ہے اور یہ صرف اسرائیل نہیں کرتا بلکہ روس اور دیگر ممالک بھی کرتے ہیں۔ ڈونلڈ ٹرمپ جب پہلی مرتبہ صدر بنا تھا تو اس وقت روسی ہیکنگ کا معاملہ اچھالا گیا تھا۔ جاسوسی کے حالیہ واقعہ کو واشنگٹن پوسٹ، لیمنڈ اور گاڈین پر مشتمل ایک گروپ (جس کو پیگاسس پروجیکٹ کہا جاتا ہے) اور ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت فاربیڈن سٹوریز کے نام سے ایک گروپ آف جرنلسٹ نے مل کر بے نقاب کیا۔ اسرائیل نے 2010ء میں ایران کے نیوکلیئر پاور پروجیکٹ کو ایک سپائی ویئر کے ذریعے سبوتاژ کیا تھا۔ پیگاسس بھی ایک سپائی ویئر ہے۔ اس وقت دنیا میں سمارٹ فون کے دو آپریٹنگ سسٹم چلتے ہیں۔ یعنی آپ کے فون کا ایکو سسٹم یا اینڈرائیڈ ہوتا ہے یا پھر IOS ہوتا ہے۔ یعنی ایک گوگل کا اور ایک ایپل کا ہے۔ پیگاسس ایک سادہ میسج کے ذریعے دونوں کو ایکسپلائٹ کر سکتا ہے۔ 2015ء میں NSA کے ایک کنٹریکٹر ایڈورڈ سنوڈن نے پوری دنیا کو بتایا تھا کہ امریکہ کی خفیہ ایجنسی (NSA) کس طرح پوری دنیا میں سپائنگ کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح اسرائیل بھی کرتا ہے۔ امریکہ میں سی آئی اے اور NSA یہ دونوں استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح کے سپائی ویئرز کو موساد، را، اور یورپی یونین کے ادارے بھی استعمال کرتے ہیں۔ وہ ہمارے موبائیل کا ڈیٹا ہیک کر سکتے ہیں۔ واٹس اپ بھی اس کے خلاف کورٹ میں جا چکا ہے کہ یہ ہماری ہیکنگ کرتے ہیں۔ پھر جو پوزیشنگ ڈیٹا ہوتا ہے کہ خاص وقت میں کون کون کس جگہ موجود ہے وہ بھی سارا آ سکتا ہے۔ اصل میں جب سے ٹیکنالوجی میں ترقی ہوئی ہے تو دنیا ایک پوری سرویلنس سٹیٹ کی طرف جارہی ہے اور عالمی طاقتیں اس چیز کو ایک ٹول کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ اس وقت ایک اور جھوٹ دنیا پھیلایا جارہا ہے کہ یہ کام نیشنل سکیورٹی اور کاؤنٹر دہشت گردی کے لیے کیا جارہا ہے حالانکہ ملکوں کے سربراہوں اور ہیومن رائٹس کی تنظیم کی جاسوسی کا کاؤنٹر دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی نیشنل سکیورتی سے اس کا کوئی تعلق ہوتا ہے۔ اصل میں جب سے نیو ورلڈ آرڈر شروع ہوا ہے یہ ابتدا سے ہی جیو ورلڈ آرڈر ہے۔ ابتدا سے ہی ان کی کوشش ہے کہ یہود کا پوری دنیا پر تسلط ہو اور ٹیکنالوجی کے ذریعے وہ دنیا پر تسلط حاصل کرنا چاہتے ہیں اور وہ اس ٹیکنالوجی کو مستقبل میں ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں کہ جب ہم سمجھیں کہ دنیا پر تسلط کا وقت آچکا ہوا ہے تو ہم دنیا کی عسکری قوتوں کو shut down کر دیں۔ یعنی وہ ایک بٹن استعمال کریں گے تو آپ کا پورا معاشی سیٹ اپ بند کر دیں گے یعنی ہر چیز ان کے کنٹرول میں ہوگی حتیٰ کہ نیوکلیئر کوڈز بھی ہیک کر لیں گے۔

سوال: انفارمیشن ٹیکنالوجی اور آرٹیفشل انٹیلی جنس کے ذریعے دنیا کو کنٹرول کرنے والی یہ اَن دیکھی طاقت ہے اور جیسے آپ نے فرمایا کہ نیو ورلڈ آرڈ ہے جس کے ذریعے پوری دنیا پر ہر انداز میں تسلط کیا جارہا ہے اور اس پر نظر رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس اَن دیکھی دنیا کو چلانے والی قوت کے چنگل سے نکلنے کا طریقہ کار کیا ہو سکتا ہے؟

رضاء الحق: انفارمیشن ٹیکنالوجی جتنی بوم ہو چکی ہے اس جن کو دوبارہ بوتل میں ڈالنا تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ ہمارے فون، کمپیوٹر اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز سب آرٹیفشل انٹیلی جنس سے learn کر رہے ہوتے ہیں اس کے علاوہ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے الگریدم آرٹیفشل انٹیلی جنس کو استعمال کرتے ہیں۔ آئی ٹی کے بہت سارے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی ہیں۔ یہ سارا ڈیٹا کلاوڈ ٹیکنالوجی کے ذریعے بین الاقوامی سرورز میں بھی جمع ہو جاتا ہے۔ اس وقت دو بڑے ممالک یعنی چین اور روس مغرب کے پیراڈائم سے ہٹ کر کام کر رہے ہیں، انہوں نے اپنے متبادل آئی ٹی نظام بنانے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اپنا انفراسٹریکچر بھی علیحدہ کیا اور پھر ساتھ اپنے سکیورٹی اقدامات بہت سخت کیے ہوئے ہیں تاکہ ان کو ہیک نہ کیا جا سکے۔ ہمیں بھی ٹیکنالوجی کے ایڈوانسمنٹ میں اس کی expertise حاصل کرنے میں انوسٹمنٹ کی بہت ضرورت ہے تاکہ ہم اس پوزیشن میں آکر مقابلہ کر سکیں اور جہاں جہاں سے بھی ٹیکنالوجی کے خطرات ہیں ان کو ہم کاؤنٹر کر سکیں۔ پھر ہمارے حساس ادارے اور حساس شخصیات اپنی آن لائن سرگرمیوں کی سکیورٹی کو مضبوط کریں۔ عوام الناس میں کسی شخص کو خطرہ ہے تو وہ پھر اولڈ سکول اپروچ کو بھی استعمال کر سکتا ہے یعنی پھر وہ بہت زیادہ ہائی ٹیکنالوجی گیجٹس کو نہ استعمال کرے بلکہ ان سے دور رہے۔

ایوب بیگ مرزا: میں اسرائیل سے یا یہودیوں سے کم نفرت نہیں کرتا لیکن داد دیں اسرائیل کو کہ وہ کہاں پہنچے ہوئے ہے۔ انہوں نے کتنی محنت کی ہے، انہوں نے کتنی ترقی کی ہے۔ کم از کم ہمیں تسلیم تو کر لینا چاہیے کہ کس طرح وہ ساری دنیا کو نچا رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان ابھی کچھ نہیں کر سکتا، لیکن آخر کب کرے گا؟ اصل میں ہمیں باطل قوتوں سے جنگ میں اللہ پر توکل کرنا چاہیے لیکن اللہ یہ بھی کہتا ہے کہ اپنے گھوڑے تیار رکھو۔ ہمیں دونوں طرف توجہ کرنی چاہیے لیکن ہم توجہ نہیں کر رہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بیٹھے بٹھائے سب کام ہو جائے گا۔ حالانکہ اللہ ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ دجال اور دجالیت کے بارے میں یقیناً ہمیں چودہ سو سال پہلے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ دجال ابھی نہیں آیا لیکن دجالی نظام تو دنیا میں آچکا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی دونوں کام کریں، یعنی ٹیکنالوجی کی طرف بھی توجہ دیں اور اپنے دین کی طرف بھی توجہ دیں جس کو ہم مکمل نظام حیات مانتے ہیں۔ ہم دین کی بھرپور دعوت دیں اور اُسے بطور نظام قائم کرنے کی بھرپور جدوجہد کریں۔ دوسری طرف یہ دیکھیں کہ ہم دنیا کے معاملات میں پیچھے ہیں تو کس طرح آگے بڑھیں گے۔

❁❁❁

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

اسلام کا سماجی اور معاشرتی نظام (آخری قسط)

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

ضبطِ نفس اور ستر و حجاب کے احکامات کی پابندی

ایک اور چیز جو خاندان کے ادارے کو مستحکم کرنے والی' اس میں امن وسکون پیدا کرنے والی اور ہماری معاشرتی زندگی کی ایک اہم اساس ہے وہ یہ ہے کہ معاشرے میں ضبطِ جنس اور ضبطِ شہوت (sexual discipline) ہو' جنسی انارکی نہ ہو۔ انسان اپنی اس فطری ضرورت (urge) کو ایک قاعدہ وقانون اور حلال وحرام کے حدود وقیود کے اندر پورا کرے۔ مجھے فرائڈ (اہلِ مغرب جسے نفسیات کا ''امام'' مانتے ہیں) کی اس بات سے بہت حد تک اتفاق ہے کہ انسان کے اندر سب سے طاقتور (potent) جذبہ محرکہ شہوت یعنی جنسی جذبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تخلیق کے مطابق یہ بے حد ضروری تھا' کیونکہ اگر یہ جذبہ اتنا طاقتور نہ ہوتا تو کون شادی کا کھکھیڑ مول لیتا اور انسان کی نسل کیسے چلتی؟ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو آباد رکھنا ہے' نسلِ انسانی کو بھی اور بڑھانا ہے' لہٰذا جنس مخالف میں اس قدر کشش اور طلب پیدا کی ہے کہ انسان یہ جانتے ہوئے بھی کہ شادی کے بعد اتنی ذمہ داریاں ہوں گی' خاندان کا بوجھ اٹھانا ہوگا' اولاد کو پالنا پوسنا ہوگا' یہ ساری ذمہ داریاں جھیلتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ جس شے میں جتنی زیادہ کشش اور شدت ہوتی ہے اتنا ہی اس میں کج روی اور بگاڑ کا زیادہ امکان ہوتا ہے' جیسے پولیٹکل سائنس کا مسلمہ اصول (axiom) ہے:

Authority tends to corrupt and absolute authority corrupts absolutely.

چنانچہ جنسی جذبے کی یہ شدت جتنی زیادہ ہے تو اس کے بگاڑ کا بھی اتنا ہی زیادہ امکان موجود ہے۔ یوں سمجھئے کہ گویا انسان کے اندر بارود ہے' لہٰذا اس پر بڑی قدغنوں' بڑی پابندیوں اور بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہ پابندیاں اور یہ اہتمام ہمارے دین کی طرف سے ہے۔ خطاب کے آغاز میں مَیں نے سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی تھی۔ ان آیات میں اہل ایمان کے فلاح کے لوازمات کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی بیان کی گئی ہے:

''وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین ہوں' سو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔'' (المؤمنون:6)

آپ غور کیجیے کہ اس میں کس قدر توازن ہے۔ ایک طرف یہ تصور دیا گیا ہے کہ جنسی شہوت کو بری نہ سمجھو' یہ کوئی برائی (evil) نہیں ہے' یہ تو فطرت کا داعیہ اور فطرت کا تقاضا ہے جو اللہ نے انسان کی فطرت میں اپنی حکمت کے تحت رکھا ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

''مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوباتِ دنیا کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے.....'' (آل عمران:14)

یہاں سب سے پہلے ''حب الشهوات'' کا ذکر کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ جنسی خواہش کوئی برائی نہیں ہے۔ اوّل تو جو دین محمد ﷺ لائے وہ انتہائی دینِ فطرت ہے' پھر آپؐ کی زندگی اتنی کھلی کتاب ہے کہ آپؐ نے ہر چیز کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا: اَلنِّسَاءُ وَالطِّیْبُ' وَجُعِلَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ)) (سنن النسائی)

''مجھے دنیا میں سے عورتیں اور خوشبو محبوب ہے' جبکہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔''

حضور ﷺ نے خود بھی شادیاں کیں اور اُمت کو بھی اس کا حکم دیا۔ فرمایا:

((اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ)) (سنن ابن ماجہ) ''نکاح میری سنت ہے۔''

مزید فرمایا:

((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) (صحیح البخاری)

''جس کو میری سنت پسند نہیں اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

دوسری طرف اسلام نے اس جذبے پر شدید قدغنیں عائد کی ہیں۔ اس لیے کہ اگر اس جذبے میں کج روی اور آوارگی آ گئی تو پوری انسانی شخصیت اور سیرت و کردار کی متاع اس سوراخ سے بہہ نکلے گی۔

میں ان لوگوں کا مرثیہ کہا کرتا ہوں جو ایک طرف تو مغرب کے فلاسفہ کی عظمت کے قائل ہیں اور دوسری طرف جب پردے اور ستر کا بیان آتا ہے تو وہ ایسے ''معصوم'' بن جاتے ہیں کہ جنسی جذبہ شاید صرف مولویوں ہی کے اندر ہوتا ہے' ان کے علاوہ کسی اور کے اندر اس جذبے کا کوئی احساس اور حس سرے سے ہوتی ہی نہیں۔ یہ سراسر ان کی بددیانتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم اس رسول ﷺ کے پیروکار ہیں جنہوں نے خود یہ کہا ہے کہ مجھے تو دنیا میں یہ دو چیزیں خوشبو اور عورت پسند ہیں' اور ہم اس قرآن مجید کو ماننے والے ہیں جس میں سورۃ المؤمنون کے بعد سورۃ المعارج میں دوبارہ بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ یہ آیات وارد ہوئی ہیں:

﴿وَالَّذِیْنَ ہُمْ لِفُرُوْجِہِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِہِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ فَاِنَّہُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴿۳۰﴾﴾

اس کے بعد دونوں مقامات پر یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔''

یعنی جو اس جذبے میں حد سے بڑھیں گے اور اپنی خواہشات حرام طریقوں سے پوری کریں گے تو وہ زیادتی کرنے والے اور حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

تو جان لیجیے کہ یہ ایک بہت زوردار داعیہ ہے۔ فرائڈ نے مبالغہ آرائی کرتے ہوئے اسے ذرا اور آگے بڑھا دیا ہے کہ اس کے نزدیک تو سارے کے سارے خواب بھی سیکس کی بنیاد پر آتے ہیں اور ساری اخلاقیات بھی اسی جذبہ کی بنیاد پر ہیں۔ ماں اگر محبت بھری نگاہ سے بیٹے کو دیکھ رہی ہے یا باپ نے اگر بیٹی پر محبت بھری نگاہ ڈال لی تو وہ بھی جنسی جذبہ کے تحت ہے۔ معاذ اللہ۔ ان لوگوں کا یہ غلط رویہ ہے کہ ایک حقیقت کو دیکھتے ہیں تو جزء کو

گُل بنا دیتے ہیں‘ لیکن اس حد تک یہ بات صحیح ہے کہ اس جذبے کے اندر بہت پوٹینشل‘ شدت اور قوت ہے۔ چنانچہ جتنا منہ زور گھوڑا ہو گا اتنا ہی اسے سدھانے کے لیے آپ کو محنت کرنا پڑے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس جذبے کے لیے اتنی حدود و قیود عائد کی گئی ہیں۔ ہمارے دین میں سارا ستر و حجاب کا نظام موجود ہے اور ستر و حجاب کے یہ احکامات ہمارے معاشرتی نظام کے استحکام کا ذریعہ ہیں۔

غیر مخلوط اسلامی معاشرہ

یہ بات قبل ازیں عرض کی جا چکی ہے کہ اسلامی معاشرہ مخلوط معاشرہ نہیں ہے‘ اس میں عقیدے اور ایمان کی بنیاد پر تقسیم ہے۔ یہ اصلاً مسلمان معاشرہ ہے‘ غیر مسلم اس معاشرے کا اصلاً شریک نہیں ہے۔ البتہ جو بھی غیر مسلم ہمارے مقابلے میں متحارب نہیں ہے‘ اس کے ساتھ بھلائی‘ خدمتِ خلق‘ تالیفِ قلب‘ عدل و انصاف‘ یہ سارے معاملات کریں گے‘ لیکن محبت اور مودت کا معاملہ صرف اہلِ ایمان کی برادری کے دائرے کے اندر رہے گا۔ اسی طرح مسلمان معاشرے میں جنس کے اعتبار سے مخلوط معاملہ نہیں ہے۔ یہ ایک غیر مخلوط (seggregated) سوسائٹی ہے‘ جہاں مرد کا علیحدہ دائرہ کار ہے اور عورت کا علیحدہ۔ ان دونوں کا میدانِ کار جدا‘ فرائض جدا‘ ذمہ داریاں جدا‘ لہٰذا ان کا آپس میں میل جول اور اختلاط اسلام بالکل گوارا نہیں کرتا۔ اس لیے کہ یہ بارود کو چنگاری دکھانے والی بات ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ جنسی جذبہ بہت ہی خوفناک اور خطرناک حد تک منہ زور ہے اور اس کے لیے بہت زیادہ احتیاط اور پابندیوں کی ضرورت ہے۔

حجاب کے تفصیلی احکام میں تو کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن میں اس وقت جو اصول بیان کر رہا ہوں کہ مرد و عورت میں سے ہر ایک کا ایک جداگانہ دائرہ کار ہے‘ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ جس زمانے میں ستر و حجاب اور پردہ کی بڑی بحثیں چل رہی تھیں ایک مرتبہ میں پروفیسر وارث میر صاحب کے گھر ان کے بچے کی عیادت کے لیے گیا تھا۔ چونکہ وہ بھی میرے خلاف بڑے مضامین لکھ رہے تھے تو وہاں میں نے ان سے بات کی اور ان سے کہا کہ مجھے بتایئے تو سہی کہ اسلام نے ستر و حجاب اور seggregation کے جو اصول رکھے ہیں‘ ان کو اگر ہم ملحوظ رکھیں تو ہماری کون سی تمدنی ضرورت ہے جو رکتی ہے؟ پھر میں نے غیر مخلوط معاشرے کا ایک خاکہ ان کے سامنے رکھا کہ آپ تعلیم کا نظام علیحدہ کر دیجیے کہ مردوں اور عورتوں کی یونیورسٹیاں اور کالج علیحدہ ہوں‘ اسی طرح ہسپتال علیحدہ ہوں۔ خواتین کے ہسپتالوں میں خواتین ڈاکٹر ہوں اور خواتین نرسیں ہوں جبکہ مردوں کے ہسپتالوں میں مرد نرسوں کا اہتمام ہو‘ کیونکہ وہاں زنانہ نرسیں فساد کی جڑ ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا مرد نرسنگ نہیں کر سکتے؟ آرمی میں جہاں شدید ترین نرسنگ کی ضرورت ہوتی ہے‘ آپ اگلے مورچوں پر کیا عورتوں کو نرسیں بنا کر بھیجتے ہیں؟ وہاں نرسنگ کا کام مرد سرانجام دیتے ہیں اور وہاں کی ساری ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ تو اسی طرح مردانہ ہسپتالوں میں میل نرس کام کیوں نہیں کر سکتے؟ عورتوں کے ہسپتال میں عورتوں کو نرس رکھیے اور مردوں کے ہسپتال میں مردوں کو نرس رکھیے۔

آج کل یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس دور میں ہمیں جو معاشی مسائل درپیش ہیں اور دنیا کے اندر جو اقتصادی بھاگ دوڑ کا مقابلہ ہے تو اس کے پیش نظر کیا ہم مردوں کے ساتھ عورتوں کی نفری کو بروئے کار نہ لائیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ضرور ان سے کام لیجیے‘ اور اس کے لیے گھریلو صنعتوں کو فروغ دیجیے تاکہ خواتین کو گھروں کے اندر کام دیا جائے۔ یا آپ ایسے یونٹس بنایئے جس میں عورتیں کام کریں‘ عورتیں کام لیں‘ سپروائزنگ بھی عورتیں کریں اور اس کی چار گھنٹے کی شفٹ رکھیے تاکہ وہ خاتونِ خانہ کی حیثیت سے بھی اپنے فرائض ادا کر سکے اور یہاں آ کر قوم کی اجتماعی اقتصادیات میں بھی اپنا ایک حصہ ادا کر سکے۔ اگر گھر پر بیٹھ کر اسے کام کرنے دیں گے تو وہ انتہائی مفید اور productive ہو گا‘ اس کے آنے جانے‘ کپڑے تبدیل کرنے اور بننے سنورنے کا وقت بھی بچے گا۔ دوسری جنگِ عظیم میں دہلی کے ایک بہت بڑے علاقے ’’باڑا ہندوراؤ‘‘ کا ایک ایک گھر کارخانہ بنا ہوا تھا۔ صبح آرمی کے ٹرک آتے اور سامان دے کر چلے جاتے تھے۔ کہیں وردیاں سِل رہی ہیں‘ کہیں بکلز بن رہے ہیں‘ کہیں بٹنز بن رہے ہیں۔ گھروں میں چھوٹے چھوٹے پریس لگے ہوئے تھے۔ شام کو ٹرک آتے اور تیار سامان لے کر چلے جاتے۔ نہ عورت کو گھر سے نکلنا پڑا‘ نہ اسے کوئی مشقت جھیلنی پڑی۔ وہ گھر میں بیٹھ کر بچوں کو ساتھ لگا کر کام کر رہی ہے‘ کہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ بس اصول طے ہو جائیں اور ایک دفعہ عزم کر لیں تو پھر راستے کھلتے جائیں گے۔ اس بات کو یقینِ محکم کے ساتھ مان لیں کہ مرد و زن کا اختلاط انتہائی خطرناک ہے اور اس میں شدید خطرات مضمر ہیں‘ اس لیے اس کو ہر صورت روکنا ہے۔

ستر و حجاب کے احکام کی پابندی اور غیر مخلوط نظام سے شوہر اور بیوی کے اندر وہ باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے جس سے گھر کے اندر اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے اور اس میں مثبت جذبات پروان چڑھتے ہیں‘ پھر وہ گھر واقعتاً جنت کا ایک نمونہ بنتا ہے۔ اس فضا میں جو اولاد پروان چڑھے گی اس کے اندر مثبت اقدار وجود میں آئیں گی‘ اس کے اندر بھلائیاں اور نیکیاں پرورش پائیں گی۔ اگر ایسا نظام نہ ہو تو انتقام اور منفی اثرات پروان چڑھتے ہیں۔ نہ بیوی کو شوہر پر اور نہ شوہر کو بیوی پر اعتماد ہوتا ہے۔ اس طرح وہ صرف ایک قانونی بندھن میں بندھے ہوتے ہیں‘ جس سے چھٹکارا پانے کے لیے امریکہ اور مغرب میں بڑی کوششیں جاری ہیں۔ ان کا پورا عائلی نظام ان کے لیے ایک بہت بڑا شکنجہ‘ بہت بڑی مصیبت اور بہت بڑی لعنت بن کر رہ گیا ہے۔ لیکن ہم اب بھی مغربی تہذیب کی ظاہری چکاچوند سے مرعوب ہیں‘ جس کو اقبال نے ”Dazzling exterior of the Western Civilization“ کہا تھا۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے!

ہم تو اسی کی مرعوبیت میں مبتلا ہو کر اس کی پیروی کر رہے ہیں اور اسی کو سمجھتے ہیں کہ یہ تہذیب اور تمدن ہے۔ یہ درحقیقت ہمارے ذہنی افلاس کا مظہر ہے‘ ورنہ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہترین معاشرتی و عائلی نظام ہے۔ سب سے پہلے اگر آپ میں ایمان کی بنیاد موجود ہو تو آپ کو وہ بصیرت حاصل ہو گی کہ ان تمام اوامر و نواہی اور دین کے تمام احکام کی نورانیت‘ معنویت اور ان احکام کی پوشیدہ حکمتیں اور برکات نظر آئیں گی۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا:

((اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ))
(سنن الترمذی)

نور اللہ سے کیا مراد ہے؟ اس کے دوسرے پہلو بھی ہیں جن کی طرف اشارہ موجود ہے لیکن یہ بھی ہے کہ وہ نورِ ایمان ہے۔ پھر جسے اللہ انشراح عطا کرتا ہے اسے اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہی نظام صحیح ہے اور اسی میں خیر و فلاح ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ

لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط ﴾ (الزمر:22)
’’پھر بھلا وہ شخص کہ جس کے سینے کو اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے ربّ کی طرف سے ایک نور (ہدایت) پر ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو کفر کی تاریکیوں میں پڑا ہے؟)

قرابت دار کے ساتھ حسنِ سلوک

معاشرے کی تنظیم میں خاندان کے ادارے سے آگے بڑھ کر قرابت دار کے ساتھ حسن سلوک کا بھی ذکر ہے۔ خاندان کے ادارے کو مستحکم کرنے کے بعد اب انسان کے حسن سلوک کا دائرہ کار درجہ بدرجہ آگے بڑھنا چاہیے اور ’’الاقرب فالاقرب‘‘ کے اصول کے مطابق جو سب سے قریب ہے وہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ حسن سلوک کا مستحق ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

’’اور رشتے دار کو اس کا حق ادا کرو‘ اور محتاج اور مسافر کو بھی (اپنے مال میں سے دو) اور اپنی دولت کو نمود و نمائش کے لیے نہ اڑاؤ‘‘ (بنی اسرائیل:26)

قرآن مجید کے اندر متعدد بار قرابت داروں کا ذکر ہے: ﴿وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی﴾ (البقرۃ:177) اور: ﴿وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی﴾ (النساء:36)

قرابت داروں کے بعد حسن سلوک کے دائرہ میں معاشرے کے محروم افراد کو بھی شامل کرنا ہوگا‘ جن میں یتیم‘ مساکین‘ مسافر‘ غرض سبھی لوگ شامل ہوں گے۔ قرابت دار کے بعد یتیم اور مساکین کا نمبر آتا ہے: ﴿وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ﴾ ’’اور (احسان کرو) رشتہ داروں‘ یتیموں اور مساکین پر‘‘۔ اس سے آگے بڑھیے تو پڑوس کا نمبر آتا ہے: ﴿وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی﴾ ’’اور پڑوسی جو قرابت دار بھی ہو‘‘ اگر پڑوسی قرابت دار بھی ہو تو یوں سمجھئے کہ سونے پر سہاگا ہے کہ اس کے دو حقوق جمع ہو گئے۔ ﴿وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ ’’اور پڑوسی چاہے اجنبی ہو‘‘۔ یعنی وہ آپ کے قبیلے کا نہ ہو تب بھی پڑوسی ہونے کے اعتبار سے وہ آپ کے حسن سلوک کا مستحق ہے۔ ﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ﴾ ’’اور آس پاس کے بیٹھنے والے‘‘ عارضی طور پر آپ کی برابر کی نشست پر بیٹھا ہوا بھی آپ کا پڑوسی ہے اور وہ آپ کے حسن سلوک کا مستحق ہے۔ اس طرح آپ بس یا ریل میں سفر کر رہے ہیں تو آپ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا شخص آپ کا پڑوسی ہے اور آپ کا فرض ہے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ ﴿وَابْنِ السَّبِیْلِ لا﴾ ’’اور پھر مسافر‘‘۔ ﴿وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ط﴾ ’’اور پھر وہ جو تمہاری ملک یمین میں ہوں‘‘۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾﴾ (النساء) ’’یقیناً اللہ تعالیٰ کو متکبر اور اکڑنے والے لوگ بالکل پسند نہیں ہیں۔‘‘

آخر میں ایک حدیث کا حوالہ دے رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ‘ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ‘ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ)) قِیْلَ وَمَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: ((اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ)) (صحیح البخاری)

حضور ﷺ نے تین بار یہ بات فرمائی کہ ’’خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں ہے!‘‘ یعنی اسے ایمان کی حقیقت حاصل نہیں۔ یا ہمارے ہاں جو احتیاط کی وجہ سے ترجمہ کیا جاتا ہے کہ اس کو ایمان کامل حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ جب ہم یہ ترجمہ کرتے ہیں تو اس حدیث میں جو زور اور تاثیر ہے وہ ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ بس یہ ذہن میں رکھیے کہ قانوناً وہ شخص کافر نہیں ہوتا بلکہ مسلمان رہتا ہے‘ لیکن ایمان کی کوئی لطیف حقیقت ہے جس سے وہ محروم ہے۔ ((وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ)) ’’خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں!‘‘ پوچھا گیا حضور کون؟ آپ ؐ نے فرمایا: ’’وہ شخص کہ جس کی ایذا رسانی سے اس کا پڑوسی چین میں نہیں ہے۔‘‘

خلاصۂ کلام

قرآن و حدیث میں تین اصولوں کا ذکر ہے جن پر تمام انسانی معاملات (چاہے وہ معاشرتی ہوں‘ معاشی ہوں یا سیاسی) کو استوار کرنا چاہیے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

’’اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو‘‘ (آیت:58)

اس آیت میں دو اصولوں کا ذکر آیا (1) امانت داری (2) عدل و انصاف۔ اب ایک حدیث ملاحظہ کیجیے:

((لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ)) (مسند احمد)

’’اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جس میں ایفائے عہد نہیں۔‘‘

اس حدیث میں ایک تو اسی اصول کا ذکر ہے جو مندرجہ بالا آیت میں مذکور ہے یعنی امانت داری اور ایک تیسرے اصول کا تذکرہ ہے یعنی عہد کی پابندی۔

قرآن کی اور بھی کئی آیات میں ان اصولوں کا تذکرہ ملے گا‘ مثلاً سورۃ المؤمنون اور سورۃ المعارج میں فرمایا: ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ○﴾

ایفائے عہد‘ امانت داری اور عدل و انصاف‘ یہ تین اصول ہیں‘ ان پر اپنے تمام انسانی معاملات استوار کرو۔ پھر انہی اصولوں پر ایک صالح ریاست‘ صالح حکومت‘ اور ایک سیاسی نظام وجود میں آئے گا اور پھر آگے چل کر انہی اصولوں پر ہمارے معاشی نظام کی عمارت تعمیر ہوگی۔

(ختم شد)

اقول قولی ھذا و استغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین و المسلمات ○○

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(17 تا 24 جولائی 2021ء)

ہفتہ (17 جولائی 2021ء) کی کو مرکزی عاملہ کے اجلاس میں آن لائن شرکت کی۔ بعد ازاں کراچی میں معمول کی مصروفیات رہیں۔

جمعہ (23 جولائی 2021ء) کو جامع مسجد شادمان ٹاؤن کراچی میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا۔

ہفتہ (24 جولائی 2021ء) کو دارالاسلام مرکز میں 2 آن لائن اجلاس ہوئے، پہلے اجلاس میں نائب امیر محترم اعجاز لطیف کے علاوہ ناظم اعلیٰ محترم اظہر بختیار خلجی، ڈاکٹر سید عطاء الرحمن عارف اور پرویز اقبال شریک ہوئے۔ دوسرے میں نائب امیر، ناظم اعلیٰ اظہر بختیار خلجی اور خورشید انجم شریک ہوئے۔

مفتی سبحان صاحب کے ذریعہ ایک نوجوان سے رابطہ ہوا اور ان کے ساتھ آدھ گھنٹہ ملاقات رہی۔ موصوف تنظیم کے حوالہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

نائب امیر محترم اعجاز لطیف سے معمول کے مطابق آن لائن رابطہ رہا۔

حضرت شیماء رضی اللہ عنہا بنتِ حارث رضی اللہ عنہ

فرید اللہ مروت

نام اور نسب

حضرت سیدہ شیماء رضی اللہ عنہا کا اصل نام حذافۃ بنت حارث تھا لیکن نام پر لقب ''شیماء'' غالب آ گیا، شیماء کے معنی ہیں عزت و شرف اور بلند مرتبہ۔ شیماء رضی اللہ عنہا حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بیٹی اور سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کی رضاعی بہن تھیں۔ حضرت شیماء رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے 7 یا 8 سال بڑی تھیں۔ شیماء عربی میں بلند مرتبے والی کو کہتے ہیں۔ شیماء کے والد کا نام حارثؓ بن عبدالعزیٰ بن رفاعۃ السعدیۃ اور والدہ کا نام حلیمہؓ بنتِ ابی زؤیب السعدیۃ ہے۔ اماں حلیمہؓ کے صاحب زادے عبداللہؓ، آنحضرت سے چند ماہ بڑے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس آمد اور قبول اسلام

وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے رہے۔ حضرت شیماءؓ کی شادی بنوثقیف میں ہو گئی تھی۔ جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کی اطلاع بنوسعد پہنچی، تو امّاں حلیمہؓ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ اپنے شوہر حارث اور دو بچّوں عبداللہ اور شیماء کے ساتھ مکّے کے سفر پر روانہ ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ، اب اُمّ المومنین، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے گھر منتقل ہو گئے تھے۔

حارث نے جب لوگوں سے آنحضرت ﷺ کے قیام کے بارے میں معلوم کیا، تو اہلِ قریش کو معلوم ہوا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے رضاعی والد ہیں، اِس پر اُنہوں نے حضور ﷺ کی شکایت کرتے ہوئے کہا ''اے حارث! تمہارا بیٹا ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے اور ایک اللہ کی پرستش کی بات کرتا ہے۔ اس نے ہم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔'' حارث، بیوی بچّوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''اے میرے بیٹے! آپ ﷺ کی قوم جو شکوہ کر رہی ہے، کیا وہ سچ ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''نہ صرف سچ ہے، بلکہ روزِ قیامت آپ خود اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں گے۔'' حارثؓ تو آئے ہی اسلام قبول کرنے کے لیے تھے، چنانچہ پورا خاندان مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

شیماءؓ کی آنحضرت ﷺ سے محبّت و انسیت

رسول اللہ ﷺ کے اپنے تو کوئی بھائی، بہن نہیں تھے۔ امّاں حلیمہؓ کے بچّے ہی اُن کے رضاعی بھائی، بہن تھے۔ بچپن کے نہایت قیمتی اور اَنمول سال آپ ﷺ نے ان بچّوں ہی کے ساتھ گزارے۔ جہاں حضرت شیماء رضی اللہ عنہا نے اپنی محبّتوں کے تمام پھول اپنے رضاعی بھائی پر نچھاور کر دیے۔ علّامہ حافظ ابنِ حجرؒ اپنی مشہور تصنیف ''الاصابۃ'' میں تحریر کرتے ہیں کہ شیماء، آنحضرت ﷺ کو ہر وقت گود میں لیے رہتیں اور لوریاں دے کر سُلاتیں۔ ایک لوری یہ ہے:

يَا رَبَّنَا أَبْقِ لَنَا مُحَمَّدًا
حَتّٰى أَرَاهُ يَافِعًا وَأَمْرَدًا
ثُمَّ أَرَاهُ سَيِّدًا مُسَوَّدًا
وَاكْبِتْ أَعَادِيَهِ مَعًا وَالْحُسَّدَا
وَأَعْطِهِ عِزًّا يَدُوْمُ أَبَدًا

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج 8، ص 206)

''اے ہمارے ربّ، ہمارے لیے (حضرت) محمد (ﷺ) کو باقی رکھنا تاکہ مَیں اُنہیں بھرپور جوان ہوتا دیکھ سکوں۔ پھر مَیں اُنہیں سردار کے رُوپ میں دیکھوں اور (اے اللہ) ان کے دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل و رسوا کرنا، جب کہ انہیں دائمی عزّت عطا فرمانا۔''

سرورِ کائنات ﷺ کو لوری دیتے ہوئے اپنی محبت کا اظہار اس طرح بھی کیا:

مُحَمَّدٌ خَيْرُ الْبَشَرْ مِمَّنْ مَّضٰى وَمَنْ غَبَرْ
مَنْ حَجَّ مِنْهُمْ اَوِ اعْتَمَرْ اَحْسَنُ مِنْ وَّجْهِ الْقَمَرْ
مِنْ كُلِّ اُنْثٰى وَذَكَرْ مِنْ كُلِّ مَشْبُوْبٍ اَغَرّ
جَنِّبْنِى اللهُ الْغِيَرْ فِيْهِ وَاَوْضِحْ لِىَ الْاَثَرْ

''حج و عمرہ کرنے والوں میں سے جو گزر چکے ہیں اور جو موجود ہیں حضرت محمد ﷺ ان میں سب سے بہتر ہیں۔ آپ خوبصورت اور روشن چہرے والے تمام مردوں اور عورتوں سے زیادہ خوبصورت ہیں بلکہ آپ کا حُسن و جَمال تو چاند سے بھی بڑھ کر ہے۔ اے میرے رب! مجھے حوَادِثِ زمانہ سے بچا اور مجھ پر ان کے نشانات کو واضح فرما دے۔'' (سُبُل الہدیٰ والرَّشاد، ج 1، ص 381)

بادل کا سایہ فگن رہنا

حضرت شیماء رضی اللہ عنہا شدید گرمیوں کی ایک دوپہر آنحضرت ﷺ کو باہر لے گئیں۔ امّاں حلیمہؓ کو فکر لاحق ہوئی، تو وہ اُنہیں تلاش کرنے باہر نکلیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ شیماء رضی اللہ عنہا، آپ ﷺ کو گود میں لیے یہ اشعار پڑھ رہی ہیں:

هٰذَا أَخٌ لِّي لَمْ تَلِدْهُ أُمِّي
وَلَيْسَ مِنْ نَّسْلِ أَبِيْ وَعَمِّيْ
فَدَيْتُه مِنْ مُّخْوِلٍ مُعِمّ
فَانْمِهِ اللّٰهُمَّ فِيمَا تُنْمِيْ

''یہ میرے وہ بھائی ہیں، جو میری ماں سے پیدا نہیں ہوئے اور یہ میرے والد اور چچا کی نسل سے بھی نہیں ہیں، لیکن مَیں اِن پر اپنے معزّز ماموں اور چچا فدا کرتی ہوں۔ اے اللہ! اِن کی بہتر پرورش فرما''۔

امّاں حلیمہؓ نے فرمایا ''اے شیماءؓ! اِنہیں اِتنی شدید گرمی میں لے کر کہاں آ گئی ہو؟'' عرض کیا: ''امّاں جان! اِنھیں گرمی نہیں لگ رہی، کیوں کہ دھوپ سے حفاظت کے لیے اِن پر ایک بادل سایہ فگن رہتا ہے۔ جب یہ چلتے ہیں، تو وہ بادل بھی چل پڑتا ہے اور جب یہ رُک جاتے ہیں، تو بادل بھی رُک جاتا ہے۔'' (سیرۃ حلیمہ جلد اول، صفحہ 150)

شقِ صدر

حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ''ایک دوپہر ہم بچّے گھر سے ذرا دُور وادی میں کھیل رہے تھے کہ اچانک دو نورانی صُورت اور لمبی داڑھیوں والے لوگ آئے، جو سفید لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے میرے بھائی (حضرت) محمد (ﷺ) کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اور سینے پر چُھری پھیر دی۔ یہ ہولناک منظر دیکھ کر ہم سب بچّے چیختے چلّاتے گھر کی طرف بھاگے اور امّاں، ابّا کو بتایا کہ کسی نے بھائی کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا ہے۔ وہ دوڑتے ہوئے اُس جگہ پہنچے، تو دیکھا کہ آپ ﷺ بیٹھے ہوئے ہیں، لیکن چہرۂ مبارک کا رنگ اُڑا ہوا ہے۔

قیدی شیماء رضی اللہ عنہا بارگاہِ رسالت ﷺ میں

غزوۂ حُنین کے دوران بنو ہوازن اور بنوثقیف کے قیدیوں میں ایک بوڑھی خاتون بھی تھیں۔ خاتون نے مجاہدین کو بتایا: ''میں تمہارے سپہ سالار اور اللہ کے نبی ﷺ کی بہن ہوں۔'' ایک صحابیؓ حضور ﷺ کے پاس خیمے میں داخل ہوئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! جنگی قیدیوں میں موجود ایک بوڑھی عورت آپ ﷺ کی بہن ہونے کا دعویٰ کر رہی ہیں۔'' چونکہ حضور ﷺ کا کوئی بھائی تھا اور نہ ہی بہن، اِس لیے سب حیران تھے کہ یہ کون عورت ہے، جو بہن

ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اس خاتون کو اندر لایا جائے۔'' خاتون خیمے میں داخل ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ کی جانب محبت بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے پُرجوش لہجے میں بولیں: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! مَیں تمہاری بہن، شیماءؓ بنتِ حارثؓ ہوں''۔ آنحضرت ﷺ نے ماضی کی یادیں ٹٹولتے ہوئے فرمایا'' ہاں بنی سعد میں میری ایک بہن کا نام شیماء تھا۔''

اِس پر وہ جلدی سے بولیں: ''یارسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ جب ہم لوگ امّاں حلیمہ سعدیہؓ کے گھر کھیل رہے تھے، تو آپؐ نے میری پیٹھ پر کاٹ لیا تھا، جس کا نشان آج بھی موجود ہے۔'' شیماءؓ کے یہ جملے ادا کرتے ہی سرکارِ دو عالم ﷺ کو امّاں حلیمہ ؓ کے گھر گزرے بچپن کے واقعات یاد آگئے۔ یہ وہی بہن شیماء ؓ تھیں، جو آنحضرت ﷺ کو ہر وقت گود میں لیے پھرتی تھیں۔ اُن کی سُنائی ہوئی لوریاں، پیار و محبت کی باتیں حضور ﷺ کے ذہن میں محفوظ تھیں۔ سامنے کھڑی شیماء ؓ کے ایک ہی جملے نے بچپن کے گزرے دنوں کی خوش گوار یادیں تازہ کر دیں۔ اب اِتنے عرصے بعد بہن کو قیدی کی حیثیت سے اپنے سامنے دیکھا، تو فرطِ محبت سے آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ بہن کے استقبال کے لیے اُٹھے، اپنی چادر زمین پر بچھائی اور اُنھیں اپنے پاس بٹھالیا۔ صحابۂ کرامؓ کے لیے بہن، بھائی کی محبت کا یہ منظر نہایت حیران کُن تھا۔ دونوں دیر تک بچپن کی یادیں تازہ کرتے رہے۔

تحائف کے ساتھ بہن کی رخصتی

رسول اللہ ﷺ نے حضرت شیماء ؓ کو بہت سا مال، چند اونٹ اور دیگر مویشی عنایت فرماتے ہوئے پیش کش کی کہ اگر وہ چاہیں تو مدینے ہی میں رہیں، لیکن اُنہوں نے اپنے گھر جانے کی خواہش کا اظہار کیا، جس پر اُنھیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ چند محافظوں کے ساتھ اُن کے گھر روانہ کر دیا گیا۔ بنی سعد کے لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت شیماء ؓ کو ایک مکحول نامی غلام اور ایک لونڈی بھی دی تھی۔ حضرت شیماء ؓ نے اُن دونوں کی آپس میں شادی کروادی تھی، جن کی نسل آج بھی باقی ہے۔

(سیرت ابنِ ہشام 3/167,166)

آنحضرت ﷺ نے غزوۂ حنین کے دَوران گرفتار کیے گئے بنوہوازن کے تمام چھ ہزار قیدی رہا فرمادیے اور اُن کا مال وغیرہ بھی واپس کر دیا۔

❀❀❀

رسمی نمازیں

عارفہ خان، کوئٹہ

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

کہاں گئے وہ مسلمان جن کی زندگی کا مقصد دین کی سرفرازی ہوا کرتا تھا۔ اب تو خلافت کا نظام ختم ہوئے بھی ایک صدی بیت گئی جبکہ مسلمان تو اس جہاں میں صورت خورشید جیتے ہیں کہ اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے۔ اب تو المیہ یہ ہے کہ ایسا ڈوبے ہیں کہ نکلنے کا کوئی امکان ہی نظر نہیں آرہا۔ مغرب سے مرعوب ان کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام ہی کو اپنے مسائل کا حل سمجھ بیٹھے ہیں۔ اس بات سے قطعی لاتعلق کہ مسلمانوں کا اپنا ایک مکمل نظام موجود ہے جسے پوری دنیا میں نافذ کرنے کی جدوجہد کرنا ان کی اہم ذمہ داری ہے۔ لیکن جب امت نے اپنا مقصد ہی فراموش کر دیا تو پھر ڈیڑھ ارب صرف نام کے مسلمان ہی رہ گئے جن کی نمازیں بھی محض ایک رسم بن گئیں، نہ خشوع وخضوع، نہ ایمان میں حرارت۔ مسجدیں بنانے کی حد تک تو ایمان کی حرارت اب بھی موجود ہے لیکن ان مسجدوں کو آباد رکھنے کا جذبہ مفقود ہوتا چلا جارہا ہے۔ ؎

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

شبِ معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے تحفے کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے۔ اوّلاً تو مسلمانوں کی عظیم اکثریت بے نمازی ہے اور جو نماز ادا کرتے بھی ہیں تو ان میں کثیر تعداد ان لوگوں کی ہے جو صرف فرائض ادا کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ سنت اور نوافل کو تو غیر ضروری سمجھ کر بالکل ترک کر دیا گیا ہے۔ مرد حضرات بھی خواتین کی طرح گھروں میں ہی نماز ادا کرنے لگے ہیں یعنی زنانہ نماز۔ مسجدوں تک جانا بوجھ محسوس ہوتا ہے جبکہ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (التوبہ:18)

''اللہ کی مسجدوں کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے ہیں۔''

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے:

''جب کوئی گھر سے اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف نماز کی ادائیگی کے لیے نکلتا ہے اور اس کا نکلنا صرف نماز ہی کے لیے ہوتا ہے تو ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک گناہ ختم کیا جاتا ہے۔''

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''جو کوئی باوضو ہو کر گھر سے فرض نماز کے لیے نکلے تو اس کا ثواب احرام باندھنے والے حاجی کے برابر ہے۔''

مسجدوں میں باجماعت نماز کی ادائیگی کی اہمیت وفضیلت کے باوجود گھروں میں زنانہ نماز کی ادائیگی چہ معنی دارد۔ وائے اس کے کہ دنیاوی مشاغل اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتے کہ وقت کی پابندی کی جائے اور مسجدوں کا رخ کیا جائے۔ ہاں اگر دنیاوی مشاغل سے فرصت مل جاتی ہے تو اس رسم کو بھی ادا کر لیا جاتا ہے۔

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

امت مسلمہ کی ترجیحات دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مسلم ممالک کے حکمرانوں ہی نے نہیں بلکہ پوری امت نے اپنا قبلہ و کعبہ بدل لیا ہے اور پوری امت دین کی سرفرازی کی بجائے نظام باطل کی سرفرازی کے لیے پوری جانفشانی اور تن دہی سے کوشاں ہے اور اپنا قیمتی وقت ٹی وی پروگراموں، موبائل، انٹرنیٹ اور سیر وتفریح جیسی خرافات میں ضائع کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنا وقت قیمتی بنانے اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کی توفیق دے۔ آمین رب العالمین!

❀❀❀

عقیقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی

عقیقہ کے لغوی معنی کاٹنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں نومولود بچہ /بچی کی جانب سے اس کی پیدائش کے ساتویں دن جو جانور ذبح کرکے خون بہایا جاتا ہے اسے عقیقہ کہتے ہیں۔ عقیقہ کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ سے صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ اس کے چند اہم فوائد یہ ہیں: زندگی کی ابتدائی سانسوں میں نومولود بچہ/بچی کے نام سے خون بہا کر اللہ تعالیٰ سے اس کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ اسلامی Vaccination ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض پریشانیوں، آفتوں اور بیماریوں سے راحت مل جاتی ہے۔ ہمیں دنیاوی Vaccinations کے ساتھ اس Vaccination کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ بچہ/بچی کی پیدائش پر جو اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، خوشی کا اظہار ہو جاتا ہے۔ بچہ/بچی کا عقیقہ کرنے پر کل قیامت کے دن باپ بچہ/بچی کی شفاعت کا مستحق بن جائے گا۔ عقیقہ کی دعوت سے رشتے دار، دوست واحباب اور دیگر متعلقین کے درمیان تعلق بڑھتا ہے جس سے ان کے درمیان محبت والفت پیدا ہوتی ہے۔

عقیقہ کے متعلق چند احادیث:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بچہ/بچی کے لیے عقیقہ ہے، اس کی جانب سے تم خون بہاؤ اور اس سے گندگی (سر کے بال) کو دور کرو۔“ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہر بچہ/بچی اپنا عقیقہ ہونے تک گروی ہے۔ اس کی جانب سے ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے، اس دن اس کا نام رکھا جائے اور سر منڈوایا جائے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد)

نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کی شرح علماء نے بیان کی ہے کہ کل قیامت کے دن بچہ/بچی کو باپ کے لیے شفاعت کرنے سے روک دیا جائے گا، اگر باپ نے استطاعت کے باوجود بچہ/بچی کا عقیقہ نہیں کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حتی الامکان بچہ/بچی کا عقیقہ کرنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ہے۔ (ترمذی، مسند احمد) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لڑکے کی جانب سے دو بکرے اور لڑکی کی جانب سے ایک بکرا ہے۔ عقیقہ کے جانور مذکر ہوں یا مؤنث، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی بکرا یا بکری جو چاہیں ذبح کردیں۔ (ترمذی، مسند احمد)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ کا عقیقہ ساتویں دن کیا، اسی دن ان کا نام رکھا اور حکم دیا کہ ان کے سروں کے بال مونڈھ دیے جائیں۔ (ابوداؤد)

ان مذکورہ ودیگر احادیث کی روشنی میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ بچہ/بچی کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا، بال منڈوانا، نام رکھنا اور ختنہ کرانا سنت ہے۔ لہٰذا باپ کی ذمہ داری ہے کہ اگر وہ اپنے نومولود بچہ/بچی کا عقیقہ کرسکتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی اس سنت کو ضرور زندہ کرے تاکہ عند اللہ اجرِ عظیم کا مستحق بنے، نومولود بچہ/بچی کو اللہ کے حکم سے بعض آفتوں اور بیماریوں سے راحت مل سکے، نیز کل قیامت کے دن بچہ/بچی کی شفاعت کا مستحق بن سکے۔

کیا ساتویں دن عقیقہ کرنا شرط ہے؟

عقیقہ کرنے کے لیے ساتویں دن کا اختیار کرنا مستحب ہے۔ ساتویں دن کو اختیار کرنے کی اہم وجہ یہ ہے کہ زمانہ کے ساتوں دن بچہ/بچی پر گزر جاتے ہیں۔ لیکن اگر ساتویں دن ممکن نہ ہو تو ساتویں دن کی رعایت کرتے ہوئے چودھویں یا اکیسویں دن کرنا چاہیے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ اگر کوئی شخص ساتویں دن کے بجائے چوتھے یا آٹھویں یا دسویں دن یا اس کے بعد کبھی بھی عقیقہ کرے تو یقیناً عقیقہ کی سنت ادا ہو جائے گی، اس کے فوائد ان شاء اللہ حاصل ہو جائیں گے، اگرچہ عقیقہ کا مستحب وقت چھوٹ گیا۔

کیا بچہ/بچی کے عقیقہ میں کوئی فرق ہے؟

بچہ/بچی دونوں کا عقیقہ کرنا سنت ہے، البتہ احادیث کی روشنی میں صرف ایک فرق ہے وہ یہ ہے کہ بچہ کے عقیقہ کے لیے دو اور بچی کے عقیقہ کے لیے ایک بکرا/بکری ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کے پاس بچہ کے عقیقہ کے لیے دو بکرے ذبح کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو وہ ایک بکرا سے بھی عقیقہ کرسکتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی روایت ابوداؤد میں موجود ہے۔

بچہ/بچی کے عقیقہ میں فرق کیوں رکھا گیا؟

اسلام نے عورتوں کو معاشرہ میں ایک ایسا اہم اور باوقار مقام دیا ہے جو کسی بھی سماوی یا خود ساختہ مذہب میں نہیں ملتا، لیکن پھر بھی قرآن کی آیات ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (البقرۃ: 238) ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (النساء: 34) واحادیث شریفہ کی روشنی میں یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے نظام کو چلانے کے لیے مردوں کو عورتوں پر کسی درجہ میں فوقیت دی ہے، جیسا کہ دنیا کے وجود سے لے کر آج تک ہر قوم میں اور ہر جگہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ مثلاً حمل وولادت کی تمام تر تکلیفیں اور مصیبتیں صرف عورت ہی جھیلتی ہے۔ لہٰذا شریعت اسلامیہ نے بچہ کے عقیقہ کے لیے دو اور بچی کے عقیقہ کے لیے ایک خون بہانے کا جو حکم دیا ہے، اس کی حقیقت خالق کائنات ہی بہتر جانتا ہے۔

عقیقہ میں بکرا/بکری کے علاوہ دیگر جانور ذبح کرنا؟

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ بکرا/بکری کے علاوہ اونٹ گائے کو بھی عقیقہ میں ذبح کرسکتے ہیں، کیونکہ اس حدیث میں عقیقہ میں خون بہانے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے بکرا/بکری کی کوئی شرط نہیں رکھی، لہٰذا اونٹ گائے کی قربانی دے کر بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز عقیقہ کے جانور کی عمر وغیرہ کے لیے تمام علماء نے عیدالاضحیٰ کی قربانی کے جانور کے شرائط تسلیم کیے ہیں۔

DECOLONIZING EDUCATION

By: Maryam Sakeenah

Over the years that I have studied and then taught the GCE/IGCSE syllabi in Pakistan, I have come to realize how some of the contents of the syllabi as well as the ideas, values, attitudes and approaches embedded in them- even the tools for interpretation evaluation- are an extension of the 'Macaulay' project which aimed to 'create a class of persons, Indian in blood and color, but English in taste, in opinions, in morals, and in intellect."

Much of the content I teach is rooted in the neocolonialist / neo imperialist idea of the centrality and ascendancy of the Western civilization. It is quite glaringly obvious in the 'World History' syllabus I teach. Quite ironically, 'World' History is overwhelmingly the history of Europe and the US, with a passing mention of the 'non-West' through a heavily tainted Eurocentric (or should I say Orientalist?) lens. While studying the impact of the First World War, the havoc it played in the Middle East, piecing out and redistributing Ottoman territory arbitrarily is glossed over, among so much else.

The Sociology syllabi trace the origin of the study of Society to the European Enlightenment, failing to even acknowledge what sociology owes to 'Umraniyat' of Ibn Khaldun's Muqaddimah. All social themes are analyzed through the lens of Western philosophies of Structural Functionalism, Interpretivism, Marxism and Feminism. Students are expected to cite examples not from the societies around them, but from British society as that is the prime subject of the entire study. As a teacher I find it tragic that my students are to base their understanding of how society works in the structure, norms and trends belonging to British society primarily, and only secondarily their own- as a postscript to the course syllabus.

As a student and then a teacher of CIE Pakistan Studies History, I never knew there was such a thing as the Great Famine of Bengal which resulted due to exploitative economic policies of the British. I had no idea about the strategic destruction of the local cotton industry and its nightmarish impact on the economy and society, for British economic interests. I had no idea about the systematic degradation of the Madrassah as a casualty of Macaulay's grand colonial educational project... These 'blind spots' on history I harbor profoundly affect my understanding of my present social context. My understanding of my present will always be superficial and partial, always coming from a tainted lens.

It is true that this system provides students with skills to think critically, formulate opinions and construct arguments- and that at present this is quite plainly missing from our local educational systems. What is required therefore is to update our own syllabi and examination strategies in order to replace this system. Educationists in the country need to understand the need to decolonize education and initiate such a project.

The prevailing system also very discreetly establishes the primacy of the English language over and at the cost of the local and national languages. Students passing through the system therefore, adopt the language of the

کیا اونٹ گائے وغیرہ کے حصہ میں عقیقہ کیا جاسکتا ہے؟

اگر کوئی شخص اپنے 2 لڑکوں اور 2 لڑکیوں کا عقیقہ ایک گائے کی قربانی میں کرنا چاہے، یعنی قربانی کی طرح حصوں میں عقیقہ کرنا چاہے، تو اس کے جواز سے متعلق علماء کا اختلاف ہے، علماء کرام نے قربانی پر قیاس کر کے اس کی اجازت دی ہے، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ ہر بچہ / بچی کی طرف سے کم از کم ایک خون بہایا جائے۔

کیا بالغ مرد و عورت کا بھی عقیقہ جاسکتا ہے؟

جس شخص کا عقیقہ بچپن میں نہیں کیا گیا، جیسا کہ عموماً ہندوستان اور پاکستان میں عقیقہ چھوڑ کر چھٹی وغیرہ کرنے کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، جو کہ غلط ہے۔ لیکن اب بڑی عمر میں اس کا شعور ہو رہا ہے تو وہ یقیناً اپنا عقیقہ کر سکتا ہے، کیونکہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد اپنا عقیقہ کیا (اخرجہ ابن حزم فی ''المحلّی''، والطحاوی فی ''المشکل'')۔ نیز احادیث میں کسی بھی جگہ عقیقہ کرنے کے آخری وقت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ بڑی بچی کے سر کے بال منڈوانا جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں بال نہ کٹوائیں، کیونکہ بال کٹوائے بغیر بھی عقیقہ کی سنت ادا ہو جائے گی۔

دیگر مسائل:

قربانی کے جانور کی طرح عقیقہ کے جانور کی کھال یا تو غرباء و مساکین کو دے دیں یا اپنے گھریلو استعمال میں لے لیں۔ کھال یا کھال کو فروخت کر کے اس کی قیمت قصائی کو بطور اجرت دینا جائز نہیں ہے۔ قربانی کے گوشت کی طرح عقیقہ کے گوشت کو خود بھی کھا سکتے ہیں اور رشتہ داروں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔ اگر قربانی کے گوشت کے تین حصے کر لیے جائیں تو بہتر ہے: ایک اپنے لیے، ایک رشتے داروں کے لیے اور تیسرا حصہ غریبوں کے لیے، لیکن یہ تین حصے کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ عقیقہ کے گوشت کو پکا کر رشتے داروں کو بلا کر بھی کھلا سکتے ہیں اور کچا گوشت بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔ اگر بچہ / بچی کی پیدائش جمعہ کے روز ہوئی ہے تو ساتواں دن جمعرات ہوگا۔

❁❁❁

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر رفیق تنظیم کو اپنی بیٹی (بیوہ)، عمر 39 سال، صوم وصلوٰۃ اور پردے کی پابند کے لیے دینی مزاج کے حامل شخص کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0336-4851730

☆ گھمن جٹ فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 29 سال، تعلیم ایم فل اکنامکس، قد "5'.6، پردہ اور صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لیے، دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ اور برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0345-4444556 ، 0343-4230987

إنا للہ وإنا إلیہ راجعون — دعائے مغفرت

☆ تنظیم اسلامی گل گشت ملتان کے رفیق ملک لیاقت بوسن کے چچا وفات پا گئے۔
برائے تعزیت: 0301-7458550

☆ حلقہ بہاول نگر کے نقیب محمد طیب اکرم کی ساس وفات پا گئیں۔
برائے تعزیت: 0322-8732032

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمَا وَارْحَمْهُمَا وَاَدْخِلْهُمَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْهُمَا حِسَابًا يَّسِيْرًا

language over and at the cost of the local and national languages. Students passing through the system therefore, adopt the language of the colonizer as their first language, and its baggage of values, ideas and attitudes along with it. The narrative that comes wrapped up in the language is absorbed uncritically as one's own.

The profound disconnect that all this produces between the present generation and its roots is tragic and grave. It is a crisis of identity, a loss of a heritage... The rich legacy of Urdu literature gets shrouded in oblivion. The entire treasury of literature in local languages will soon be lost to our children- inaccessible, remote, unfamiliar, alienated.

Generations of students have passed through and will continue to pass through this system... the consequences are enormous. The need to decolonize education and to decolonize our intellect is immense. We start by prioritizing communication and learning in our own language(s), as well as developing an affinity with locally produced content in local languages. This is especially important at the primary level as the 'tabula rasa' of the child's mind uncritically accepts whatever is presented by a superior. Learning a foreign language as one's first has been proven through research to be highly damaging to the child's communication skills and sense of identity.

If this project to decolonize education is not taken up with urgency and seriousness, we will be doomed to watch our brightest minds turn into colonies of uncritically, unreflectingly borrowed ideas.

Courtesy:

http://maryamsakeenah.blogspot.com/2021/05/decolonizing-education.html

Vol. 30 Regd. C.P.L NO. 114 No.29

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore